

باپ کا قاتل، مترجمہ مولانا محمد الرزاق علی آبادی کا ناشر مندرجہ ایکٹ نمبر ۲۷ سے جبرئیل اور نو
کلکتہ ۱۳۶۱ صفحہ تقطیع چھوٹی قیمت ۸

باپ کا قاتل فرانس کے مشہور دانشور اور فرانسو کو بیہ کے ایک فنانس کا ترجمہ ہے، جو عربی زبان سے کیا گیا ہے۔
ایک بلقانی نوجوان قائد کا حب الوطنی سے لبریز کردار پیش کیا گیا ہے۔ یہ فنانس دراصل اس لٹریچر کی ایک کڑی ہے جو یورپ میں
آزادی بلقان کی تحریک کی ابتدا میں پھیلائی گئی تھی اور ترجمہ نے ہندوستان میں تحریک آزادی اور جذبہ حب الوطنی کے پیدا کرنے کیلئے
اسکو اردو میں منتقل کیا ہے، فنانس میں زمانہ ترکوں اور بلقانیوں کی جنگ کا ہے ایک ترکی قائد جاسوس بنکر بلقانی فوج میں آتا ہے
مختلف تدبیروں سے بلقانی سپہ سالار اعظم کو اس کی بیوی کے ذریعہ اس پر آمادہ کر لیتا ہے کہ ترکی فوج کو راستہ دیدیا جائے تاکہ
معاوضہ میں بلقان کا تاج اسکو پیش ہوگا، وہ سپہ سالار اپنے ضمیر سے سخت کشمکش کے بعد اس پر آمادہ ہو جاتا ہے، اس سازش کی
خبر اس کے لڑکے کو ایک معصوم دل لڑکی سے ملتی ہے، اور وہ موجودہ گھائی پر مین وقت پر پہنچ جاتا ہے، ترکی فوجیں بڑھتی ہیں اور
اس کا باپ غداری کے لئے وہاں موجود نظر آتا ہے، اس وقت باپ بیٹے میں ایک موثر گفتگو ہوتی ہے، جس میں لڑکے کیلئے
اور خدمت وطن کے فرائض میں سے کسی ایک کے انتخاب کا وقت آتا ہے، اور لڑکا اپنے باپ کو قتل کر کے بلقانی لشکر کو شہر
کر دیتا ہے، اور خدمت وطن کا فرض ادا کرتا ہے، ترکوں اور بلقانیوں میں خون ریز جنگ ہوتی ہے، صبح کو اسکے باپ کا جنازہ نکلتا ہے
بجھکا اٹھا جاتا ہے، وہ لڑکا سپہ سالار بنتا ہے، اسکی سوتیلی ماں کو پس پردہ واقعات کا علم ہوتا ہے اور وہ کوشش کرتی ہے کہ اس نوجوان
قائد کو بھی غداری پر آمادہ کر لے، اور پھر ناکام ہو کر فوج کو اس سے برگشتہ کرتی ہے، اور وہی ضمیمہ معاہدہ جو ترکی جاسوس اور مابقی
سپہ سالار اعظم میں ہوا تھا، اسے اس نوجوان سپہ سالار کی طرف منسوب کر کے غداری کا الزام لگاتی ہے، دونوں کے ناموں
میں ایک جز مشترک نام کے باعث اس پر یقین کر لیا جاتا ہے، اسکے قتل کا فیصلہ صادر ہوتا ہے، وہ اپنی زندگی منہا کر دیتا ہے
مگر اپنے باپ کے جرم غداری کو پشت از بام نہیں کرتا، واقعہ کے ۳۵ سال بعد اسکی سوتیلی ماں مرض موت کے ہذا
میں اسے راز ہائے سربستہ کا پردہ چاک کر دیتی ہے، اور اس نوجوان سپہ سالار کی وہی قبر جو اب تک ایک غداری کی قبر تھی
سے نشانہ ملامت بنی ہوئی تھی، اب بلقانیوں کی معبود و معبود بن جاتی ہے،

جلد ۳۳ ماہ محرم الحرام ۱۳۵۳ مطابق ماہ مئی ۱۹۳۴ء عدد ۵

مضامین

۳۲۲-۳۲۳	سید سلیمان ندوی	نذرات
۳۲۸-۳۲۹	"	غزنین کا سفر
۳۳۰-۳۳۱	مولوی سید محمد طہ عثمان شرف امتیاز کیا	عالم برزخ
۳۳۲-۳۳۳	عاقظ اسلم صاحب جیرا چوری	"ایک غلط فہمی کا ازالہ"
۳۳۴-۳۳۵	"	"چند غلط فہمیوں کا ازالہ"
۳۳۶-۳۳۷	مولانا سار اللہ صاحب امرتسری	عالم برزخ
۳۳۸-۳۳۹	مع ز	وادی سندھ کی تہذیب
۳۴۰-۳۴۱	"	کیا سائنس سے بے روزگاری بڑھ رہی ہے؟
۳۴۲-۳۴۳	"	مغربی تہذیب ایک مغربی کی نظر میں
۳۴۴-۳۴۵	"	اجار علیہ
۳۴۶-۳۴۷	حکیم الشعراء سید احمد حسین آجندہ آبادی	عمل امانت
۳۴۸-۳۴۹	پروفیسر محمد اکبر منیر امیر سن کالج، ملتان	پیغام ہبار
۳۵۰-۳۵۱	نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن	قطبہ تاریخ وفات مولوی غلام محمد شملوی
۳۵۲-۳۵۳	خان شیردانی حسرت	
۳۵۴-۳۵۵	"ع"	"جواہر سخن"
۳۵۶-۳۵۷	"ر"	مطبوعات جدیدہ

شذرات

جب تک قدیم ہندوستان کی تاریخ کا سرمایہ صرف زبانی روایات اور اصنامیات تھا، یہاں کی قدیم آئین تہذیب کی عظمت کا گیت بڑی بلند آہنگی سے گایا جاتا رہا، مگر جب سے اس ملک کے قدیم آثار کی تحقیق و تفتیش کا کام شروع ہوا ہے حقیقت کے چہرہ سے نقاب اٹھتی جاتی ہے، قدیم ہند کی سطوت کا اصلی گوارہ پائلی پتر (پٹنہ) کا موریا خاندان ہے، مگر انہی تحقیقات نے اس کو ہند کے بجائے ایران پہنچا دیا، اور وہ پارسی تہذیب کا نمونہ ثابت ہوا، اب حال میں سندھ کی انہی تحقیقات جن ہزاروں برس کے دبے ہوئے دھننے کا پتہ چلایا ہے، وہ بھی ہند کے بجائے عراق کی ملکیت ثابت ہوا، فردریس آئین پاتھ میں تاریخ ہند کے مشہور ماہر راج جی رائسن کا ایک مضمون شائع ہوا ہے، جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ منہجہ داروداد ہر پادشاہ (سندھ) کے انہی اکتشافات سے یہ لگان ہوتا ہے کہ ہندو تہذیب میں سامی عنصر بہت نمایاں ہے۔

— — — — —

اسی پرچہ میں ایک ہندو فاضل کے قلم سے مورخ مذکور کا جواب بھی شائع ہوا ہے، جس میں زیادہ تر ویدوں کے حوالے سے ہندو تہذیب کی قدامت ثابت کی گئی ہے، مگر ویدوں کی اتنی قدامت کا دعویٰ تو خود مشتبہ ہے اس سے دوسرے دعویٰ پر استدلال کا متنازع صحیح ہو گا؟ بہر حال کہنا صرف یہ ہے کہ اگر گزشتہ آئین توہین پارسی اور سامی تہذیبوں سے استفادہ کے باوجود ہندو میں، نواب اسلامی تہذیب جو آریائی اور سامی دونوں تہذیبوں سے مل کر پیدا ہوئی ہے، اور اس سے گزشتہ گزشتہ برس تک ہمارے ہندو بھائی بھی مستفید ہوتے رہے، کیوں بدی چیز سمجھی جائے،

— — — — —

یہ بات کہ مسلمانوں کا کوئی متحدہ خط ہونا چاہئے، تنگ خیال قومیت کے نزدیک غیر ضروری ہے، ترکوں نے اپنا خطہ کر لیا، ایک نقطہ نظر سے یہ ایک قوم کی محدود مقامی بات ہے، مگر اس کا وسیع اثر ملاحظہ فرمائے کہ ترکی کے مشترک عربی و فارسی

اور عربی خطے ترکی نہ جانتے وئے مسلمان اور شرقی اشخاص بھی کچھ نہ کچھ مطلب سمجھ جاتے تھے، اور وحدت خیال کی ایک نئی نگرانی ہم قائم تھی، مگر اب ہمارے ان کے درمیان بعد اشرقین جو ان کے رسائل و اخبارات ہندوستان آئیں، یا ہندوستان کے وہاں جائیں، دونوں ہی کہیں گے،

زبانِ یارِ من ترکی و من ترکی نمی دانم

— — — — —

اس وقت یہ بات یوں یاد آگئی کہ چھٹی صدی ہجری کے ایک مسلمان فلسفی ابوالبرکات بغدادی کی کتاب باعتبار بہت مشہور کتاب ہے، اس میں اُسے فلسفہ ارسطو پر سخت اعتراضات کئے ہیں، اور کہا جاتا ہے کہ امام رازی نے فلسفہ پر جو اعتراضات کئے ہیں وہ اکثر اسی کتاب سے لئے گئے ہیں، اس بنا پر اہل علم میں اس کتاب کی خاص اہمیت ہے،

— — — — —

پچھلے دنوں جرمنی کے ایک کتب فروش کے پاس سے خبر آئی کہ کتاب باعتبار کی ایک جلد قسطنطنیہ سے چھپ کر شائع ہوئی ہے، یہ سن کر محو بے انتہا خوشی ہوئی اور اسی وقت اپنے لندن کے یجنٹ کو لکھا کہ کتاب ہمارے پاس بھیج دی جائے، چند ہفتوں کے بعد جب یہ اطلاع آئی کہ کتاب باعتبار چھپی تو ضرور ہے مگر وہ عربی کے بجائے نئے ترکی لاطینی خط میں چھپی ہے، تو جلدی خوشی ہوئی تھی اتنا ہی رنج ہوا کہ وہ کتاب جس سے ساری دنیا اسلام فائدہ اٹھا سکتی تھی، صرف ترکوں کے محدود حلقہ کیلئے ہو کر رہ گئی

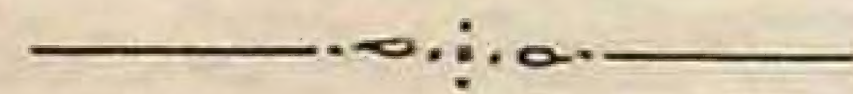
— — — — —

موجودہ مسلمانوں کا عجیب خاصہ یہ ہے کہ وہ کسی کام کو اپنے سوچ بچار اور غور و تدبیر کے بعد استواری کیساتھ نہیں کر سکتے، ان کو کام کرنے کے لیے ہمیشہ جذبات کی شراب پینے کی ضرورت پیش آیا کرتی ہے، بالٹیکس سے یہ مرض بڑھتا بڑھتا مذہب بلکہ دنیا تک پہنچ گیا ہے، دین کی تبلیغ مسلمانوں کا ضروری فرض ہے، مگر ہماری تبلیغی انجمنیں اور مجلسیں اسی وقت سرگرم کار ہوتی ہیں جب آریہ پرچارک سبھائیں اپنا زور دکھائیں، اپنی قومی تہذیب کو برقرار رکھنے کے لیے اپنی زبان کی حفاظت بھی ہر شخص کو لازم ہے جو اپنے منہ میں زبان رکھتا ہے، مگر اس تحریک کا جوش بھی مسلمانوں کو اسی وقت آتا ہے جب ہندی سیمپل اپنی

اپنی قوت عمل کی نمایش کرتی ہے،



پچھلے دنوں دہلی میں ہمارا بڑا بڑا جلسہ ہوا اور اس کے لئے ایک لاکھ روپیہ کی امداد کا اعلان ہوا، تو دہلی کے چند مسلمانوں کو بھی جوش آیا، اور ایک اردو کانفرنس صوبہ سرحد کے ایک ممتاز مسلمان نواب کے زیر صدارت منعقد ہو گئی، اگر اسی کے مقابلہ میں یہاں بھی ایک لاکھ کی امداد ہو جاتی تو ہم سمجھتے کہ نقش پوری ہوئی، اور یہ کہتے، ععد و شود سبب خیر گر خدا خواہد مگر شور و غل اور اخباری چہل پہل کے سوا اس قسم کی کانفرنس کا نہ کوئی نتیجہ ہوا ہے، نہ ہوگا، ضرورت مستقل، پائدار اور استوار اصول پر استیلا اور سنجیدگی کے ساتھ کام کرنے کی ہے اسی پر کامیابی کا مدار ہے، گنگوڑ گھٹائیں گرجتی نہیں اور گرجتے بادل برستے نہیں،



ہندی کی بنیاد ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں نہیں پڑی ہے، بلکہ دیہاتوں میں ڈسٹرکٹ بورڈز کے ذریعہ اور اسکولوں میں، مہین ہزار در ہزار لڑکے جنہیں مسلمان بچے بھی داخل ہیں، ہندوستانی کے بجائے ہندی سکھائے جا رہے ہیں اور اس طرح ہندوستان کی آئندہ زبان بدلی جا رہی ہو، اسکی دوسری بنیاد گورنمنٹ کے دفاتر میں پڑ رہی ہے جہاں ہندو فارمون کو دبا کر ہندی فارم جبراً ہندوستانی جاننے والوں کو بھی دیئے جاتے ہیں، تاکہ ہندی کی ضرورت اہل غرض پر دلیل چرت ہو جائے، ہم ہندی خط کے دشمن نہیں ہیں، مگر ہندی خط کے پردہ میں مشترک ہندوستانی زبان کو مٹانے کی کوشش ہمارے لئے زیادہ بڑی غلطی ہے،



مجلس دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن میں سن سیمٹی کی پانچویں جلد چھپ کر تمام ہو گئی اور اب دوسری کتابیں طبع کیلئے تیار ہیں، ان میں سے ایک ابن رفاعہ کی جوامع اصلاح المنطق، اور دوسری امام بخاری کی نایاب تصنیف تاریخ کبیرہ، امید ہے کہ آخری کتاب کی اشاعت سے فن اسماء الرجال کے ذخیرہ میں نہایت قیمتی اضافہ ہو جائیگا،

مقالہ

غزنین کا سفر

۳۰ اکتوبر ۱۹۳۳ء کی صبح کو جب بیدار ہوا تو اس خیال سے خوشی ہو رہی تھی کہ آج اس غزنین کو دیکھوں گا جبکہ نام قلم سے سینکڑوں دفعہ لکھا، زبان سے ہزاروں دفعہ لیا، اور آنکھوں سے لاکھوں دفعہ پڑھا، غزنین سلطان محمود کا غزنی، جسکا نام کبھی دنیا میں رعب و ہیبت بٹھاتا تھا، جس کے آستانہ پر ارباب کمال کا ہجوم رہتا تھا، جس نے صدیوں دنیاے اسلام کی رہنمائی اور ہندوستان پر فرمانروائی کی، غنصری، فرخی، فردوسی اور سنائی کا غزنین جس نے ہمارے ادبیات کی دنیا میں غیر فانی شہرت حاصل کی اور جس کی سیاسی تاریخ مورخین عالم کی تحقیقات کا مدت سے موضوع بحث ہے صبح اٹھ کر ضروریات سے فراغت کی، بندھے ہوئے اسباب کو دیکھا بھالا، رخصت کرنے والے احباب سے بار بار مصافحے ہوئے، اور چند روز کے اس قیام کی یاد کے وعدے ہوئے،

خدا کو انعام | عموماً دستور یہی اور یورپ میں تو یہ دستور قانون کی حد تک ہوتا ہے کہ جب ہوٹل سے نکلے یا کسی مقام تک پہنچے تو پہلے خدام کو ٹپ (بخشش) دیجئے حتیٰ کہ چائے خانے اور ریٹوران میں بھی اس "اخلاقی قانون کی خلاف ورزی نہیں کی جاسکتی، یہی خیبر پختونخوا میں بخیشش کہلاتی ہے، یورپ والے جب پرانی ٹریک کا سفر کرتے تھے، تو اس بخیشش کے مقابلہ کو بہت برے اور ذلیل رنگ میں پیش کرتے تھے، لیکن ان کو اپنے ملک کا ٹپ برا نہیں معلوم ہوتا، اسکی وجہ صرف ایک ہے اور وہ یہ کہ بخیشش "شرقی مسکنت اور نرمی کے لہجہ میں مانگی جاتی ہے، اور درازی عمر وغیرہ کی مسلسل دعاؤں کے ساتھ اسکا شکر یہ ادا کیا جاتا ہے، اور "ٹپ" یورپین خشکی کے ساتھ وصول کی جاتی ہے، اور سر کو ذرا سی بخشش دیکر اور تھینک یو

انکس کی قیمت فوراً ادا کر دیا جاتی ہے۔

ہندی مہانوں نے طے کیا تھا کہ اس سرکاری مہانخانہ کے خدام کو جنھوں نے ہماری مہمانی کے فرائض متعلقہ بہت خوبی سے انجام دیئے تھے، تنور و پیسے انعام میں دیئے جائیں، لیکن چلتے وقت جب یہ رقم ان کو برصائے نام دی گئی تو انھوں نے بہت خوشی سے اس انعام کے قبول کرنے سے اسلئے انکار کیا کہ انھوں نے اپنے مہانوں کا واجب فرما انجام دیا ہے، جس کے لئے وہ کسی انعام کے مستحق نہیں ہیں، ان کے اس فیصلہ سے بڑا تعجب ہوا، اور ان کی اخلاقی برائی کا سکہ مہانوں کے دلوں پر بیٹھا،

یہ خدام نہایت ہوشیار، نہایت باادب اور باسیلقہ اور خاموش تھے، اتنے دنوں میں ایک دفعہ بھی ان کے شور و غل کی کوئی آواز کانوں میں نہیں آئی، چائے، کھانا، بستروں کی درستی اور کمروں کی صفائی وغیرہ کے تمام کام وہ نہایت خوبی اور خاموشی کے ساتھ انجام دیتے تھے، ان کی وضع یہ تھی سیاہ پینٹ، سیاہ کوٹ، سپید قمیص، پاؤں میں بوٹ اور سروں پر پاپون کی افغانی ٹوپیاں،

کابل سے روانگی حکومت نے اپنے مہانوں کے بارام سفر کا اہتمام بڑی خوبی سے کیا، یہ بیان شاید پہلے گزر چکا ہے کہ کل ملک افغانستان میں سفر کی پرانی منزلیں دس بارہ میل پر ہوتی تھیں، ہر منزل پر حکومت کی طرف سے ڈاک بیگلے یا سرکاری اقامت خانے بنے ہوئے ہیں، جس میں قیام کے ہر قسم کے سامان و اسباب مہیا ہوتے ہیں، اب موٹروں کی تیز رفتاری اس منزل کو دور تر کر دیا، اب یہ بیگلے انٹی اور تومیل کے بعد آتے ہیں،

حکومت نے مہانوں کے قیام و انتظام کے لئے متوقع قیامگاہوں میں اطلاعی احکام بھیج دیئے تھے، اور گوان اور نیزبان کی حیثیت سے سردرخان گویا کو متعین کیا تھا، کہ وہ مہانوں کے ساتھ حکومت افغانستان کی آخری سرحد تک جائیں، اور وہاں سے پہنچا کر واپس آئیں،

سواری اور بار برداری کے لئے حکومت نے دو عمدہ موٹروں اور دو لاریوں کا انتظام کیا تھا، ایک موٹر پر خاں ڈاکٹر اقبال، اور دوسرے پر سردار غلام رسول، اور دوسرے پر سردار اسد مسعود، پروفیسر مادی، جناب سردرخان گویا اور دیگر

نہایتہ سفارت خانہ افغانستان، دہلی سوار ہوئے، ایک لاری کھانے کے سامان اور کھانا پکانے والے اور کھانے والے ملازمین کے لئے تھی، اور دوسری لاری پر مہانوں کا سامان و اسباب تھا، ساتھ ہی حکومت نے مہانوں کے فوجی معاون اور حفاظت کی غرض سے دس بارہ سپاہیوں کا ایک دستہ ساتھ کر دیا تھا، وہ بھی انھیں لاریوں پر سوار تھے، اس دستہ کا افسر جس کو خندہ بھرتہ کہتے ہیں، جو جلال آباد کے پاس گرویز کے سادات میں سے تھا، (نام بھول گیا) افسر مذکور بھی ہمارے ساتھ موٹر کی اگلی سیٹ پر سرفر کے ساتھ بیٹھا تھا،

ہم لوگوں کی روانگی میں ملنے ملانے کے باعث کچھ تاخیر ہو رہی تھی، اس لئے لاریوں کو آگے روانہ کر دیا گیا، اٹھ بجے کے قریب ہم لوگ بھی روانہ ہو گئے،

کابل سے غزنین تک کابل سے غزنین ۲۰ میل ہے، موٹریں دشت و جبل اور نشیب و فراز کو لچھڑے کرتی ہوئی، اور خاک اڑاتی ہوئی، روان تھیں، راستہ بہت حد تک صاف تھا، ٹرکین عموماً اچھی حالت میں تھیں، زمین زیادہ تر عوار تھی، اور درو پہاڑ بھی نظر آتے تھے، اور ان کے دامنوں میں وسیع میدان اور وادیاں پھیلی تھیں، ان وادیوں میں پہاڑی چشمے بہ رہے تھے جن کے سبب سے یہ وادیاں موسم بہار میں سرسبز ہو جاتی ہیں، اور کاشت کے کام میں آتی ہیں، یہ تمام زمین قابل زراعت تھی، اور خوشی کی بات ہے کہ افغان کاشتکار اس میں پوری محنت سے کھیتی کرتے ہیں، کابل سے لیکر غزنین تک کھیتوں کا یہ سلسلہ برابر ملتا چلا گیا، مگر اس وقت کسی کھیت میں بھی کوئی چیز بوئی ہوئی نہ تھی، یہاں کی کاشت کا زمانہ گرمیوں میں آتا ہے جب برف گھل کر زمین کو شاداب کرتی ہے،

یہاں گاؤں کی آبادیوں کا اصول یہ ہے کہ یہ چشمے جدھر جدھر ملتے ہوئے بستے ہیں، انھیں کے قریب ٹھوڑی دور پر گاؤں آباد ہوتے ہیں، پھر قدرتی اسباب سے جب یہ چشمے بھی خشک یا بند ہو جاتے ہیں، تو یہ گاؤں بھی مٹ جاتے ہیں، اور دوسری جگہ منتقل ہو جاتے ہیں کہیں ایسا نظر آیا کہ چشمہ نے گاؤں کی ایک سمت سے دوسری سمت کو رخ کر لیا تو گاؤں کی آبادی نے بھی "دھر سے اپنے چھوٹے اٹھا کر او دھر ڈال دیئے، دیواریں مٹی کی، اور چھتیں بھی مٹی کی ہوتی ہیں، اور بارش کی کمی کے سبب سے یہ چھتیں یہاں مستحکم رہتی ہیں،

چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں کا غیر منقطع سلسلہ نظر کے سامنے تھا۔ ان پہاڑیوں کے سبب کہیں کہیں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ راستہ بند ہے۔ اور ان پہاڑیوں پر چڑھ کر جانے کے سوا کوئی دوسرا راستہ نہ ہوگا، مگر جیسے جیسے آگے بڑھتے جاتے تھے راستہ وادیوں میں گھوم گھوم کر بہت صاف نکلتا آتا تھا،

پشاور اور کابل کے درمیان جو خوفناک پہاڑی راستہ ہے، اس کے بالمقابل ہم اس راستہ کو نہایت صاف میدان راستہ کہہ سکتے ہیں، کہیں کہیں بیچ میں نشیب تھا، اور اس کی دونوں طرف کی زمینیں بلند تھیں، ایسے موقعوں پر عموماً پہاڑ تھے، لیکن ایسے مقامات بھی آئے جہاں پہلے سے نہ تھے، یا ٹوٹ گئے تھے، بظاہر شکل نظر آتا تھا کہ اس اتار چڑھاؤ کو موثرین کیسے طے کر سکیں گی، ان افغانی شوفران کی تعریف کرنی پڑتی ہے کہ وہ اس آسانی سے موٹروں کو اتار اور چڑھاتے تھے کہ ہم کو ذرا بھی تکلیف محسوس نہیں ہوتی تھی،

راستہ میں ایک دو پہاڑیاں ایسی بھی آئیں، جن کے اوپر ہمارے رفیق فوجی افسر نے بتایا کہ افغانی قلعے ہیں اور ان میں سرکاری فوج رہتی ہے،

راہ میں لاریاں مل رہی تھیں جن پر تجارتی سامان آجارتا تھا، پرانے قافلہ کے اونٹ اور گدھے بھی بوجھ سے لدا ہوئے آجارتے تھے، خانہ بدوش قبیلے اور خاندان خنہ عورت، مرد اور بچے سب تھے، پاپیادہ اور گدھوں پر سوار ملتے جاتے تھے، ان کے ساتھ ساتھ ان کے رفیق کتے بھی ہوتے تھے، کبھی کبھی گدھوں کے اوپر مرغیان بھی بیٹھی نظر آتی تھیں، جو عجیب عجیب معلوم ہوتی تھیں،

اب دو پہر کا وقت تھا، مگر دھوپ میں حدت نام کو نہ تھی، بلکہ کافی سردی تھی، سردی کے پورے لباس پہننے کے باوجود موٹروں کی نشستے کی کھڑکیاں اٹھائی تھیں کہ ہوا اور غبار سے حفاظت رہے،

یہ عجیب بات ہے کہ ہم کو راستہ بھر کوئی پرندہ نظر نہیں آیا، شاید یہ سبب ہو کہ اس ملک میں یہ کاشت کا زمانہ نہ تھا اور میدان قلعہ سے خالی تھا،

غزنین | آجے دن کے قریب غزنین کا سواد نظر آیا، مشتاق نگاہ میں اوپر کو اٹھ رہی تھیں، مگر ہمارا کام واپس آجاتی تھیں

ہمارے خیال میں پرانی دہلی کے کھنڈر کے مناظر تھے، اور ہم سمجھتے تھے کہ ہم کو قلعہ مسجد وں اور عمارتوں کے منار اور گنبدوں سے نظر آئیں گے، لیکن ہماری مشتاق نگاہوں کے استقبال کے لئے اس قسم کی کوئی چیز اور دھڑ سے نہیں آ رہی تھی،

موٹرین رفتہ رفتہ اپنی چال سست کر رہی تھیں، یہاں تک کہ آبادی کا سوا دسواٹھنے آگیا، شہر نہاد سے باہر ایک بندی پر سرکاری همان خانہ کی عمارت تھی، موٹرین اس کے احاطہ میں داخل ہو کر اس کے بڑے دروازہ کے سامنے جا کر رکیں، اور ہم لوگ غبار دن میں آٹھوے موٹروں سے باہر نکلے استقبال کیلئے حکومت کی طرف سے قوماندان (ریمان کی فوج اور پولیس کا افسر اعلیٰ) اور شہر کی طرف سے رئیس بلدیہ (میونسپلٹی کا چیرمین) موجود تھے، ان دونوں نے ہم کو خوش آمدید کہا، اور خوشامش کی کہ ہم پہلے شہر کے بازار میں ایک چکر لگائیں، عمارت مذکور کے بائیں میں ایک خیابان تھا اس سے نیچے اتر کر سڑک پر آئے، اب ایک راستہ تو بازار کی پشت پر سے لنبائی میں اخیر تک جاتا تھا، اور دوسرا راستہ پھر بلندی پر چڑھ کر بازار کے عین وسط سے گذرتا تھا، یہاں پر بازار سے پہلے ہی برسرِ راہ ایک کچی مسجد تھی، اور نشیب والی سڑک کے برابر برابر مسجد کے نیچے ایک نہر بہ رہی تھی،

بازار ہم نچلی سڑک سے اوپر مسجد کے پاس سے اوپر چڑھ کر بازار میں داخل ہوئے، آگے آگے قوماندان صاحب ان کے پیچھے رئیس صاحب بلدیہ، پھر همان سب سے پیچھے ہمارے ساتھ کے سپاہی بازار سے گذرے، دوکانیں سب کھلی تھیں، چھوٹی چھوٹی معمولی دوکانیں تھیں، بعض دوکانوں پر چھینٹ کی قسم کے ادنیٰ کپڑے بک رہے تھے، زیادہ تر دوکانیں بوستینوں کی تھیں، چھوٹی بوستینیں جنکو شلو کہتے ہیں پندرہ پونے کو اور بڑی میں پچیس کو کہتی تھیں، بالائی حصہ زرد رنگ کا تھا، آستینوں پر اور گلے پر ریشمی تاگے کا کام نہ تھا،

ہم جس دوکان کے سامنے گذرتے دکاندار کھڑے ہو جاتے اور اسلام علیکم کے بعد "ماندہ ناشی" (تھکے نہ ہوں) کہتے، یہ بیان همانوں کے لئے خیر مقدم کے الفاظ ہیں،

دوکانداروں میں ہم نے تعجب کیساتھ ہندوؤں اور سکھوں کو بھی دیکھا، جنکے سروں پر زرد پگڑیاں بندھی تھیں، معلوم نہیں یہ کب سے یہاں آباد ہیں،

اردو گرامفون بازار دو فلائنگ کے قریب لبا تھا، اوپر سے پرانے شہروں کے بازاروں کی طرح یہ بھی مسقف تھا، ہزاروں ایک سرے سے دوسرے تک ختم کر کے، اسکی پشت کی شرک سے ہم واپس آئے، ادھر بھی بازار مذکور کی پشت سے لگی ہوئی صرف ایک سمت میں دوکانیں تھیں، درمیان راہ میں ایک دوکان سے گراموفون کے بچنے کی آواز آرہی تھی، غور جو کیا تو ریکارڈ کا گانا مٹا مٹا رہا تھا، کابل میں تو اردو زبان ثانی کی حیثیت رکھتی ہے، اور ہندوستانیوں کی کثرت کی وجہ سے اس پر تعجب نہیں ہو سکتا، لیکن غزنویں میں جہاں شاید ہی کوئی ہندوستانی ہو، اردو کی اس جہانگیری پر تعجب ہوا، مسجد اس دوسری شرک پر سے چل کر ہم اس مسجد تک پہنچ گئے، جہاں تذکرہ پہلے کیا ہے، ظہر کا وقت ہو چکا تھا، چاہا کہ اس مسجد میں جا کر نماز ظہر ادا کروں، مسجد بلندی پر تھی، اوپر زینہ سے چڑھ کر مسجد میں داخل ہوا، ظہر کی جماعت ہو رہی تھی، مگر یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ وہاں وضو کا کوئی سامان نہ تھا، دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ نیچے شرک کے کنارے کنارے نہ رہ رہی ہے، وہی گویا مسجد کا حوض ہے، اور اسی لئے یہاں کسی دوسرے سامان کی ضرورت نہ تھی، ناچار یوں ہی مسجد میں داخل ہوئے، یہ مسجد مٹی کی خام بنی ہوئی تھی، دیواریں بھی کچی تھیں اور چھت اور فرش بھی،

سرکاری ہمانخانہ | غزنویں کا سرکاری ہمانخانہ شہر سے الگ ایک بلندی پر واقع ہے، عمارت خاصی ہے، کمرے وسیع ہیں، ہر کمرہ اوسط درجہ کے فرنیچر سے آراستہ ہے، ایک لمبا ہال ملاقات اور کھانے کے کمرہ کے لیے ہے، چند کمرے ہانوں کے سونے اور آرام کرنے کے لئے ہیں، کمروں میں فرش، مسریان، بستر پر دے سب باقاعدہ لگے تھے، واپس آکر کھانا کھایا گیا، چائے پی گئی، ہمانی کے فرائض رئیس صاحب بلد یہ بہت خوبی اور اخلاق سے ادا کر رہے تھے، کھانے وغیرہ سے فراغت کے بعد کچھ دیر ہم نے آرام کیا، پھر غزنویں کے فرارات اور بقیہ عمارات کے دیکھنے کی تیاری کی گئی، ہم بچے کے قریب ہم شہر کی زیارت کو نکلے،

پیرا غزنویں | ہم غزنویں کو اپنی کہنہ و فرسودہ دلی کی طرح آباد سمجھتے تھے، اور یہ خیال تھا کہ مرٹنے کے بعد یہ زندہ ہوگا، مگر یہ دیکھ کر اور سن کر کس قدر افسوس ہوا کہ صدیوں سے پرانے غزنویں کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہا، غزنویں میں یہ پڑھا تھا کہ غزنویوں کے اخیر دور میں علاؤ الدین غوری نے غزنویں کو جلا کر خاک سیاہ کر دیا تھا، اور اسی لیے اس کا نام جہان سوز

پڑا تھا، مگر اس سے یہ خیال نہیں ہوتا تھا کہ وہ ایسا برباد کر دیا گیا تھا، کہ اسکی ایک اینٹ بھی اپنی جگہ پر باقی نہیں رہی تھی، علاؤ الدین جہان سوز | چھٹی صدی ہجری کے اوائل میں غزنویوں کا زوال اور غوریوں کے اقتدار کا آغاز ہو چکا تھا،

اس خاندان کی چھٹی پشت پر عباس نامی ایک دلیر و سخاوت بھرا درپیدا ہوا جس نے اس خاندان کی بنیاد رکھی، اس کی نویں پشت پر ملک غزالدین حسین ہوا جس نے غور کے کوہستان میں ایک چھوٹی سی ریاست کی بنیاد ڈالی، اس کے سات نامور بیٹے ہوئے، ان میں سے ایک کا نام قطب الدین محمد، دوسرے کا نام سیف الدین سوری، اور تیسرے کا نام علاؤ الدین حسین تھا، قطب الدین محمد کا لقب ملک الجبال تھا، یہ قطب الدین اپنے بھائیوں سے خاصا غرور غزنویں چلا آیا، اور اپنی داد و دہش اور حسن سیرت و صورت کی بنا پر یہاں بہت ہر دلعزیز ہو گیا، یہ بہرام شاہ غزنوی (۵۲۲ھ) کا زمانہ تھا، سلطان نے حاسدوں کے کہنے سننے سے قطب الدین سے بدگمان ہو کر اس کو قتل کر دیا، علاؤ الدین حسین نے بھائی کے انتقام کی خاطر غزنویں پر حملہ کیا، اور فتح کر لیا، بہرام شاہ بھاگ کر ہندوستان چلا گیا، علاؤ الدین اپنے چھوٹے بھائی سیف الدین سوری کو غزنویں کے تخت پر بٹھا کر غور واپس چلا گیا، بہرام شاہ نے موقع پا کر پھر غزنویں پر قبضہ کر لیا، اور سیف الدین کو گرفتار کر کے بڑی ذلت سے مروا ڈالا، علاؤ الدین نے جو یہ سنا تو غصہ سے آگ بگولا ہو گیا، اور ایک لشکر جبار لے کر غزنویں پہنچا، بہرام شاہ اس اثنائے میں وفات پا گیا، اور اسکی جگہ اس کا بیٹا خسرو شاہ بیٹھا، وہ غوری لشکر کی تاب نہ لا سکا، اور بھاگ کر لاہور چلا گیا، علاؤ الدین نے غزنویں پر قبضہ کر کے قتل عام کا حکم دیدیا، اور شہر میں آگ لگا دی، سات روز تک متصل شہر جلتا رہا، سلطان محمود، سلطان مسعود اور سلطان ابراہیم کے سوا تمام سلاطین غزنوی کی قبریں تک اکھاڑ کر ان کی ہڈیاں آگ میں جلا دیں، غزنویں کا بیان ہے :-

علاؤ الدین بقیہ شہر غزنویں گرفت و ہفت شبان روز غزنویں را آتش زد، و سوخت و مکارہ فرمود، راوی چنین میگوید کہ درین ہفت شبان روز از کثرت سواد و دود چاہا ہوا منظم بود کہ شب را نستی و شب آ شعلہاے آتش کہ شہر غزنویں می سوخت ہوا چہاں روشن می بود کہ بروزمانستے، و درین ہفت شبان روز دست کشاد و غارت و کشتن و مکارہ بود و ہر کرا از زمان یا قتل کنند و عورت و اطفال را سیر کرد،

و فرمان داد تا کل سلاطین محمودی را از خاک بر آورند و بسوختند مگر سلطان محمود و سلطان مسعود و سلطان

ابراہیم را چون ہفت روز گذشت و شب ہشتم شد و شہر تمام خراب و سوخته و غلی گشت و جدا گشت

علاء الدین تیغ زن کے ساتھ سمجھو رہی تھا، اس نے اس جن مسرت میں اپنے عزیزین ایک نظم کی، اور ایک طرف جب شہر میں قتل عام ہو رہا تھا، اور عمارتیں جل کر خاک ہو رہی تھیں، غور کا یہ نیر و مجلس عشرت میں بیٹھا قوالوں کی زبان سے اپنا وہ فخریہ سن رہا تھا،

جان داند کہ من شاہ جہانم چراغ دودہ عباسیانم

علاء الدین حسین بن حسینم کہ دایم باد ملک خاندانم

چو برگلگون دولت بر نشینم کیے باشند زمین و آسمانم

ہمہ عالم بگردم چون سکند ہر شہرے شہر دیگر نشانم

براں بودم کہ از او باش غزینم چو رود نیل جوئے خوں برانم

ولیکن گندہ پیرا شد و طفلان شفاعت میکند بخت جوانم

بہ بخشدیم بدیشاں جان ایشان کہ باد اجان شان پیوند جانم

دنیا نے اس علاء الدین کو اسکی اس سنگدلی کا یہ بدلہ دیا کہ زبان خلق سے اس کو جان سوز کا لقب دلوا

جواب تک اس کے نام کے ساتھ لیا جاتا ہے،

پرانے غزنین کی تباہی و بربادی کی یہ مختصر داستان ہے، جو ۷۵۵ھ اور ۷۵۶ھ میں وقوع پذیر ہوئی،

نیا غزنین | پرانا غزنین غوریوں کے پورے ایام حکومت میں، پچھتاہریوں اور تیموریوں کے زمانہ میں بھی اسی طرح بنا

و نشان رہا، معمولی سی آبادی جو باقی رہ گئی تھی کہتے ہیں کہ ایک سال کی سخت برف باری میں وہ بھی مٹ گئی، عبد اللہ

علوی نے تاریخ احمد شاہ درانی میں (جو زیادہ تر امام الدین حسینی کی تاریخ سے جو ۱۲۱۲ھ میں لکھی گئی تھی، ماخوذ ہے)

لے عباس غوری کی طرف اشارہ ہے،

غزنین کے حال میں لکھا ہے :-

”از قلعہ شش گاہ و بیلدہ غزنین می رسند و آن سابق مکان تخت نشین سلطان محمود و غزنوی بود و در

زمانہ ہنسی آبادی بسیار داشت یکبارہاں چہاں برف بارید کہ تمام شہر زیر آں خواب شد

بحر چند کس زندہ نماند، ازل زمان آں شہر آباد نشد، اکال مردم تاجیک و افغان اندرون قلعہ

قریب دوسہ ہزار خانہ آباداندا (۷۵۵ھ)

موجودہ شہر غزنین احمد شاہ ابدالی کے جانشین تیمور شاہ المتوفی ۱۰۲۵ھ کی تعمیر ہے، ہنسی کا ایک بلند

حصار ہے جس کے اندر موجودہ شہر آباد ہے، حکومت افغانستان میں اس کی حیثیت اول درجہ کے شہروں میں

نہیں، اور نہ یہاں گورنر رہتا ہے، جس وادی میں یہ شہر آباد ہے، بہت بڑی وسیع وادی ہے، جس میں یقیناً

بہت بڑا شہر آباد ہو سکتا ہے، اور مختلف صوبوں کے درمیان اسکی جائے وقوع تجارتی حیثیت سے اس کو تھوڑی

توجہ سے بہت بلند کر سکتی ہے،

ماقران | غزنین کے کونون، گوشون، ڈھیرون اور قبرون کے واقع کار ملا قربان نامی ایک پیر فرقت

بزرگ ہیں، مقامات کے دیکھنے کے لئے نکلنے سے پہلے سرور خان نے ملا قربان کو یاد کیا، وہ بزرگ کیا آئے کہ گویا

غزنین کی کہانیوں اور روایتوں کی ایک زندہ کتاب ہاتھ آگئی، عمر انہی نوے کے قریب ہوگی، اگر خمیدہ، منہ میں

دانت نہیں، ہاتھ میں جریب، وہ اس شان سے آئے، اور غزنین کی بربادی و تباہی کی داستان سنانے اور

یہاں کے بزرگوں کے نام و نشان بتانے لگے، بہر حال اس حضری رہنمائی میں ہم پرانے غزنین کی سیر کو نکلے،

غزنین کے آثار باقیہ | موجودہ شہر سے کئی میل دور وہ مقام ہے جو سلاطین محمودی کا پایہ تخت تھا، اور اس مقام کی

بالکل مخالف سمت موجودہ شہر کی دوسری طرف غزنین کا پرانا گور غریبان ہے، قدیم آثار باقیہ میں یہاں اب صرف

چند چیزیں باقی ہیں حکیم سنائی، سلطان محمود، سلطان مسعود اور سلطان ابراہیم کے مزارات، ان کے علاوہ ایک مزار

حکیم بھلول دانا کی طرف منسوب ہے، اور بعض دوسرے بزرگوں کے مزارات ہیں، شاہی عمارتوں کے سلسلہ میں

چند مزار کھڑے دکھائی دیتے ہیں۔

حکیم سنائی کا مزار حکیم و شاعر اقبال کو حکیم شاعر سنائی کے مزار دیکھنے کا سب سے زیادہ اشتیاق تھا، انہماک سے نکل کر پیادہ ہم حکیم موصوف کے مزار کی طرف چلے، یہ مزار موجودہ آبادی کی پچھم طرف آبادی سے ہٹ کر عام مسلمانوں کے گورنریاں میں واقع ہے۔ عام شاہراہ کی سڑک چھوڑ کر ایک فرلانگ تک دوسرا راستہ گیا ہے، مقبرہ سے باہر خید پھر چلی ہیں جنہیں سے بعض پر متاخر زمانہ کے کتبے لگے ہیں، حکیم سنائی کا مقبرہ ایک چھوٹے سے احاطہ کے اندر ہے، پہلے مختصر مسمیٰ جس میں بھی چند قبریں ہیں، ایک قبر پر لکھا ہے کہ یہ حکیم سنائی کے خادم خاص کی قبر ہے، اس کے بعد خود حکیم کے مزار کی طرف ہے، اوپر گنبد ہے، نیچے پختہ قبر ہے، مزار کے اندر جانے کے لئے صرف ایک چھوٹا سا دروازہ ہے، قبر نیچے ہے، اس کے اوپر پتھر ہے جس میں بخط عربی حکیم محمد روح کی تاریخ وفات منقوش ہے، پوری عبارت تو میں نے لکھی نہیں، یادگار کے طور پر جو سطرین لکھی تھیں وہ حسب ذیل ہیں:-

کان وفات الشیخ العالم الفاضل العارف قطب المحققین، طوطی شکرستان

فصاحت، بلبیل بوستان بلاغت، مظهر اسرار معانی، مطلع النوار۔۔۔۔۔

الشیخ۔۔۔۔۔ یعنی محمد والدین السنائی، سنۃ خمساً و خمسین،

گذشتہ سال کے معارف میں حکیم سنائی کی تاریخ وفات پر خاکسار کا ایک مضمون نکلا تھا، جس میں موصوف کی وفات ۱۲۵۵ھ میں ثابت لگئی تھی بعض محققین حال ۱۲۵۵ھ کی تاریخ ثابت کرتے ہیں، اس کتبہ میں حضرت جامی وغیرہ کی عام روایت کے مطابق ۱۲۵۵ھ کی تاریخ وفات درج ہے، اگر یہ محقق ہو سکتا کہ یہ کتبہ حکیم کی وفات کے بعد ہی زمانہ قدیم میں لگا ہے، تو اس سال وفات کے قبول کرنے میں کیا فخر ہو سکتا تھا، مگر جان تک قیاس ہے، یہ کتبہ بہت بعد کو لگایا گیا ہے، اور اس میں وہی حضرت جامی کی بتائی ہوئی مشہور تاریخ لکھی گئی ہے، واللہ اعلم،

مزار کے اندر پہنچ کر طریق مسنون دعا پڑھی،

حکیم سنائی کی جلالت شان سے کون واقف نہیں، ہم سب اس منظر سے متاثر تھے، مگر ہم میں سب سے زیادہ اثر

ڈاکٹر اقبال پر تھا، وہ حکیم محمد روح کے سرخانے کھڑے ہو کر بے اختیار ہو گئے، اور دیر تک زور زور سے روتے رہے واللہ اعظم! یہ توفیقرون کا جھوٹا تھا، یہاں سے نکل کر بادشاہوں کے محل کی طرف جانے کا خیال ہوا، سڑک پر موٹر میں کھڑی تھیں، یہاں سے سڑک تک پیادہ چل کر موٹر وں تک پہنچے،

افغانی سواروں کا دستہ | سڑک پر پہنچے ہی تھے، کہ اتفاقاً افغانی سواروں کا ایک مختصر دستہ سڑک سے گزرا، گھوڑوں کی سخی و صورت اور شہرت، سپاہیوں کی عمدہ اور صاف درویشان، ان کی ہیبتناک اونٹنی ٹوپیاں، اور اسلحہ کی چمک دیکھ کر ہمارے قومی جسم میں خون دوڑنے لگا، شگون نیک یہ لیا کہ سلطان محمود کے مزار پر جانے کا خیال ہے، اور سلطان کے خیالی جلوس کی سواری ہے، کاروان رفتہ کا یہ نشان قدم بھی بسا غنیمت معلوم ہوا، آج جبکہ بڑے بڑے کشور کش سلاطین اسلام غیر ملکی تسلط کی ذلت سے اپنی قبروں میں بچپن ہونگے، زمین الدولہ کمیت الاسلام سلطان محمود اپنی نو حکومت کے زیر سایہ آرام کی نیند سو رہا ہے،

قدیم غزنین میں | موٹر میں ملا قربان ہمارے ساتھ تھے، وہ ہر جگہ اپنے سے سنائے معلومات کا اظہار کرتے جاتے تھے،

اصلی اور پرانا غزنین، موجودہ آبادی کے پورب طرف ہے، میرے اندازہ میں یہاں سے دو تین میل کے فاصل پر واقع ہوگا، اور درعشر طور پر ٹیلے دکھائی دیے، بعض کچے مکانات آباد بھی معلوم ہوئے، سب سے پہلے دو آٹنے سانے بلند مینار سے نظر آئے، ان دونوں میناروں کے بیچ میں شاید فرلانگ ڈیڑھ فرلانگ کا فرق ہوگا، ملا قربان نے کہا یہ سلطان محمود کے رت کے دو مینارے ہیں، ان پر اس زمانہ میں جب سلطان کی سواری نکلتی تھی نقارے بجتے تھے، یہ دو مینارے پتلی کھوری اینٹوں کے تھے،

آگے بڑھ کر سڑک سے ہٹ کر ایک ٹیلہ پر ایک مزار کا قبہ دکھائی دیا، ملانے بتایا کہ یہ بھلولی دانا کا مزار ہے، پھر دوسری طرف ایک گنبد نظر آیا یہ بھی سڑک سے ہٹا ہوا تھا، ملانے کہا کہ یہ سلطان ابراہیم غزنوی کا مزار ہے، اس سے آگے ایک درخت ملا، جس کی نسبت یہ اطلاع دی گئی کہ یہ سلطان محمود کے باپ سلطان سبکتگین کا مزار ہے، یہ اپنی پرانی حالت میں تھے، اور کھوری اینٹوں سے بنے ہوئے معلوم ہوتے تھے،

سلطان محمود کا مزار موجودہ غزنین سے سلطان کے مقبرہ تک سیدھی سڑک چلی گئی ہے، مزار کے قریب پہنچ کر پہلے ایک مختصر سی آبادی ملی، اس کو طے کر کے ایک گلی سے مزار کے دروازہ کے قریب جا کر موٹرین کھڑی ہوئیں، دروازہ سے پہنچ کر پہاڑی سے ایک چشمہ اوپر سے نیچے گرتا ہے، اور پھر کراس مختصر آبادی کے لئے فطری دائرہ دیکھ کر اس کا کام انجام دیتا ہے، نیچے پتھر کا بنا ہوا ایک شیر کا دہانہ ہے اسی دہانہ سے ہو کر یہ پانی نیچے گرتا ہے، مٹانے کا یہ چشمہ بہت پرانا ہے، اور سلطان کے مزار سے جاری ہے، سرد خان نے فرمایا یہی وہ کاریز ہے جس کا ذکر فلان شاعر کے شعر میں آیا ہے، (شعر مجھے یاد نہیں رہا) ہند کوڑ سے چند قدم کے فاصلہ پر مزار کا بڑا اور بلند دروازہ ہے، اس کے بعد ایک چھتہ ہے جس کو طے کر کے ایک مختصر باغ میں پہنچے، باغ کے ایک طرف سلطان کے مزار کا گنبد نظر آیا، اندر داخل ہوئے تو سلطان کی قبر نظر آئی، اور یہ اس سلطان کی قبر ہے جو دیوار چین سے لیکر سومات گجرات تک کے ملکوں پر فرمان روا تھا جس کی ہیبت و جلالت سے بڑے بڑے گردن کش سیر اطاعت جھکا دیتے تھے، جس نے دنیا کے خزانوں کو غزنین کے گوشہ گوشہ میں بکھیر دیا تھا جس کے لشکر کے گھوڑوں کی ٹاپیں، درہ خیبر اور درہ کوہاٹ کی پہاڑیوں، سندھ اور راجپوتانہ کے بے آب و گیاہ صحراؤں اور بحر عرب کے ساحلوں، ترکستان و خوارزم کی وادیوں، خطا و ختن کے میدانوں، اور ایران کے خیابانوں کو دم کے دم میں لے کر تکی تھیں جس کے سپاہی گرمیوں کا موسم ایران و ترکستان کے فتوحات میں اور سردی کے دن ہندوستان کے زیر زبر کرنے میں بسر کرتے تھے، جس کے دربار میں شعراے غزنوی کا وہ جہر مٹ لگا رہتا تھا جس کی شکر دہنی سے آج فارسی زبان دنیا کی غیر فارسی زبان نگہی ہو، آج وہ سلطان کس بیکی و بیچارگی کے عالم میں ایک سنان باغ کے اندر یکہ و تنہا خاک کے بستر پر دراز ہے،

تخیل کے کانوں کو فرخی کا مرثیہ، مزار کی زبان حال سے اب تک سنائی دے رہا تھا،

شہر غزنین نہ ہمان است کہ من دیدم پار چہ فتاد است کہ امسال دگر گون شد کار

ملک امسال دگر باز نیامد ز غنارا دشمنے روئے نہاد است درین شہر دیا ر

سیرمی خوردہ مگردی کہ بختہ است امروز دیر تر خاست، مگر پنج رسیدش ز خار

خیر شاہ کہ رسولان شہان آمدہ اند ہر بہا دارند آوردہ فراوان و نشر
کو تو اند کہ بر انگیزد ازین خواب ترا خفتنی خفتنی، کو خواب نگردی بیدار
خفتن بسیار سے خواجہ خوی تو نبود ایچ کس خفتہ ندید است ترا زین کردار
یکہ بار سے در خانہ بالیت نشست تا بدیدند روی تو عزیزان و تبار
بہ حصار از فرغ و بیم تو رفتند شہاں تو شہاں از فرغ و بیم کہ رستی بہ حصار
شعرا را بتو بازار برافروختہ بود رفتی و با تو بیکبارہ برفت آن بازار

مزار کے اوپر جو گنبد بنا ہے اس کو امیر حبیب اللہ خان مرحوم نے ۱۳۳۳ء میں بنوایا ہے، جس کا کتبہ بخط نستعلیق ایسی بن سنگ مرمر کے ایک پتھر پر دیوار کے اندر لگا ہے، مگر خود قبر سلطانی غالباً عہد قدیم کی تعمیر ہے، کیونکہ اس کے اوپر سلطان کی تاریخ وفات اور کلمات دعائیہ جس عربی خط میں لکھے ہوئے ہیں، وہ خط کوئی کے مشابہ ہے، اور زبان بھی فارسی عربی ہے، یہ عبارت قبر کے اوپر اور قبر کے ہر چار طرف اسی خط میں لکھی ہوئی ہے، جس کا پڑھنا آج بہت آسان نہیں ہے، روا روی میں نے صرف ایک سمت کی عبارت پڑھی، جس میں سلطان کی وفات کی تاریخ منقوش ہے

لومن بر حمة الله

علیہ و نور

حفرتہ و ابيض و جہد

عشيتہ يوم الخميس لسبع بقين من شهر ربيع الاخر

لسنة احدى وعشرين واربعمائة

ترجمہ :- ہم کو ایمان ہو کہ خدا نے اس (مرحوم سلطان) پر رحمت فرمائی ہے، اس کی قبر کو خدا منور کرے، اور اس کے چہرہ کو روشن کرے

یہ باب خواجہ حسن نظامی صاحب نے اپنے سفر نامہ افغانستان میں اس کتبہ کو اس طرح پڑھا ہے: "یوم الخميس سبع عشر من ربيع الاخر سنة احدى وعشرين واربعمائة" (روز پنجشنبہ ۱۷ ربيع الاخر ۱۲۷۱ء) اور یہ پڑھ کر یہ نتیجہ نکالا کہ "نہجے بڑی خوشی ہوئی کہ سلطان کی وفات اس تاریخ کو ہوئی جو عربی خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الہی کی تاریخ وفات ہے (یعنی شہر) مگر مومن کی یہ خوشی بجا نہیں، اُسے کتبہ کی عبارت پڑھنے میں سہو ہوا ہے،

پنجشنبہ کی شام کو ربیع الآخر کی سات راتیں باقی تھیں (یعنی ربیع الآخر کی تیسرے تھی)

۲۲۱

سلاطین غزنوی کی قدیم ترین تاریخ زمین الاخبار میں بھی یہی تاریخ لکھی گئی ہے،

وفات امیر محمود رحمۃ اللہ علیہ روز پنجشنبہ بود بست و سوم ماہ ربیع الآخر سنۃ احدى وعشرين واربعمائة (۵۲۱ھ)

حضرت داتا گنج بخش لاہوری کے ان شاہی مزارات کی زیارت سے لوٹے تو ڈاکٹر صاحب کو لاہور کی مناسبت سے حضرت داتا گنج بخش لاہوری جنکا مزار لاہور میں ہے، ان کے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کی تلاش ہوئی۔

والد بزرگوار کا مزار

ملاقربان نے کہا میں وہ مزار جانتا ہوں چنانچہ ان کی ہدایت کے مطابق موٹر نے پرانے غزنین کے ویران و سنان میدانوں کو گزرنا شروع کیا، اور آخر ایک مقام پر لیجا کر توقف کیا، آگے موٹر کا راستہ نہ تھا چنانچہ ملا صاحب مع ڈاکٹر صاحب وغیرہ اتر کر پراگندے گئے، اور زیارت کر کے واپس آئے، مین در دینہ کی شکایت کے سبب نہ جاسکا،

لاہور کا مزار | حکیم سنائی کی توبہ کی حکایت کے سلسلہ میں ایک مجذوب فقیر لاہور کا ذکر کرتا ہے جس نے کہا تھا کہ سنائی می خورم کہ سنائی سے بڑھ کر بیوقوف کون ہوگا جو اپنے جیسے انسانوں کی طرح و ستائش میں خرافات نظم کرتا ہے اور ان کو جا کر سناتا ہو حکیم پر اس مجذوب کے اس فقرہ کا اثر ہوا، اور توبہ کی، ملاقربان موجودہ غزنین کے بازار سے گذرے ہوئے ایک گلی سے ایک مسجد کے اندر گئے اور بتایا کہ یہ اس لاہور کا مزار ہے،

غزنین کی رات | قریب شام ان مقامات کی سیر و زیارت سے فراغت ہوئی، سردی شروع ہو چکی تھی، غزنین کا بل سے بھی ایک ہزار فیٹ بلند ہے، اس لئے یہاں کا بل سے بھی زیادہ سردی ہے، مغرب کا وقت آیا تو انگلیٹھون کا سامان ہوا،

ساتھ کے مہر کا دی خدام نے کھانا تیار کیا، اور ۸ بجے شب کے قریب مینر پر کھانا چا گیا، ادھی کاہل کے کھانے تھے، غزنین کے سردی بھی عمدہ ہوتے ہیں، کھانے اور نماز سے فارغ ہو کر سلطان محمود کے غزنین میں شب بسر کرنے کے لئے بہترین پیر دراز ہوئے،

(باقی)

عالم برزخ

از

مولوی سید محمد طرہ صاحب اشرف قادری امٹھوی

رسالہ جامعہ ماہ نومبر ۱۹۳۳ء میں بسلسلہ تنقید سیرت حافظ اکرم صاحب جیراچوری نے اپنی قرآن دانی اور قرآن فہمی کا جو نمونہ پیش کیا ہے، وہ ان کے تمام مضامین میں یقیناً شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے،

چونکہ یہ بحث بھی اسلام کے عقائد مسلمہ سے متعلق ہے، اور اس سلسلہ میں بھی حافظ صاحب نے سلف صحابہ اجماع امت، اور تواریخ احادیث کے خلاف قرآن کے غلط معانی و مطالب سمجھانے کی کوشش فرمائی ہے، اور اسی پر یہ نہیں کیا ہے، بلکہ انبیاء علیہم السلام اور خود سرور کائنات فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بھی بے ادبی کی کئی کئی اس لئے اس پر خاموشی نہیں اختیار کی جاسکتی،

حافظ صاحب کو خدا جاننے کن جذبات کے ماتحت سیرت کی اس جلد سے، سب سے پہلی شکایت یہ پیدا ہوئی ہے: "سیرت کی ہمہ گیری نے تاریخی حدود سے آگے بڑھ کر دین پر بھی قبضہ چاہا۔"

اگر یہ اعتراض صحیح ہے تو قرآن کریم بھی اس کی زد سے نہیں بچ سکتا، اس لئے کہ قرآن دنیات بھی ہے، دیناں دہرت بھی، مواظظ و حکم بھی ہے، تمدن و معاشرت کا رہنما بھی، اگر سید صاحب نے قرآن کے نقش قدم پر، سیرت کی روشنی میں عقائد اسلامی کی تشریح کی ہے، تو کیا بُرا کیا؟

اصل یہ ہے کہ حافظ صاحب احادیث و سیرت کو دین و مذہب سے علحدہ کرنا چاہتے ہیں، حالانکہ وہ قرآن کے نزدیک عین دین و ملت ہے،

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ
بے شک تم لوگوں کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کذا تگرائی) میں بہترین نمونہ ہے،

حَسَنَةٌ (احزاب ۲۱)

کہ مشابہ ہے اور ایمان و اسلام کے قرآن کے نزدیک یہی معنی ہیں کہ ہمیشہ حضرت رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کی جائے، اپنی ہر شعبہ زندگی کے لئے حضور کی ذات اقدس میں نمونہ تلاش کیا جائے اور تمام اعمال و افعال اور عقائد و خیالات کا اسوہ حسنہ کی روشنی میں جائزہ لیا جائے، اس لیے سید صاحب کی یہ مبارک کوشش مسلمان عالم کے نزدیک لائقِ صد تحسین اور ستی شکر ہے،

حافظ صاحب فرماتے ہیں :-

”اس جلد میں سید صاحب نے عقائد کی تشریح میں قرآن سے زیادہ مدد لی ہے لیکن چونکہ وہ سلف کے خیال کے قدم بقدم پیرو ہیں اس لئے ان کے مسلک کی موافقت کی غرض سے آیات کی بعض جگہ ایسی تاویلین کی ہیں جنکو قرآن قبول نہیں کرتا“

سید صاحب نے عقائد کی تشریح میں ”اسلاف صالحین کے اتباع میں قرآن سے استہدایا تو ایک ناقابلِ ملامت جرم ہو گیا لیکن سوال یہ ہے کہ اسلاف صالحین اور اجماع امت کی مخالفت کس قرآن سے جائز ہے؟ قرآن نے اپنے اختلاف و امتزاج سے تو نہایت شدت سے روکا ہے اور ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنانے کی نہایت سختی سے ممانعت فرمائی ہے کیا

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا
اور اللہ تعالیٰ کے سلسلہ کو متفق ہو کر مضبوط پکڑے رہو،

(ال عمران ۱۰۳) اور آپس میں نا اتفاقی مت کرو،

کے بھی معنی ہیں؟ کہ ہر بات میں تمام دنیا سے اسلام سے اختلاف اپنا طرہ امتیاز بنالیا جائے؟

مسئلہ تقدیر میں نے اپنے گذشتہ مضمون ”معجزات رسول“ میں حافظ صاحب کی ذات سے جن خطرات کا اظہار کیا تھا اور میرے دل میں جن باتوں کی کشمکش پیدا ہوئی تھی اسکا نمونہ پیش نظر ہے، انکار کی جرأت بڑھتے بڑھتے اب یہاں تک نوبت آگئی کہ مسئلہ تقدیر کو جسکا اعادہ قرآن میں بار بار ہوا ہے اور جسکا ذکر قرآن میں بکثرت موجود ہے، بعض اسوجہ

عقائد میں جگہ دینے سے انکار ہے کہ اس کا ذکر ایمانیات کے سلسلہ میں کہیں نہیں آیا ہے، جب خدا کی کتاب پر ایمان لانا جزو ایمان ہے تو پھر مسئلہ تقدیر پر اور ان مسائل پر جسکا ذکر قرآن میں موجود ہے، ایمان نہ لانا اور ان کا استغناء کس منطق کے روستے درست ہے،

حشر و نشر، جزا و سزا، دوزخ و جنت، اور مسیون قرآنی مسائل ایسے ہیں جسکا ایمانیات کے سلسلہ میں ذکر نہیں لیکن کوئی مسلمان ایسا نہ ہوگا جس کا ان پر ایمان اور عقیدہ نہ ہو اور کسی کی مجال نہیں کہ انکار کر سکے،

سید صاحب پر اور اسلاف اہل سنت پر ان کا یہ اعتراف ہے کہ وہ مسئلہ تقدیر کو عقائد میں کیوں شامل کرتے ہیں لیکن وہ خود عقائد خمسہ قرآنی (اللہ، ملائکہ، کتب، رسل، یوم آخر) کے سوا دوسری باتوں کو عقائد میں شامل سمجھتے ہیں چنانچہ عالم برنج پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

”ہمارا مطالبہ یہ ہے کہ چونکہ یہ عقائد کا مسئلہ ہے اس لئے اس پر قرآن کی نص صریح ہونی چاہئے“

جس طرح ثواب دنیا، ثواب آخرت، عذاب دنیا، عذاب آخرت کی قرآن میں تصریحات ہیں اسی طرح ثواب دوزخ کی بھی تصریح نہیں

یعنی ثواب دنیا، ثواب آخرت، عذاب دنیا، عذاب آخرت کو عقائد میں داخل سمجھتے ہیں، اور عذاب ثواب دوزخ کو نص صریح پیش کرنے کی صورت میں عقائد میں داخل کرنے کے لئے تیار ہیں، حالانکہ ایمانیات کے سلسلہ میں تو ان باتوں میں کسی ایک کا بھی ذکر نہیں، کیا حافظ صاحب اپنے بیان کے تضاد کو دور کرنے کی کوشش کرینگے پھر دیکھتے ہیں۔

”حقیقت یہ ہے کہ قرآن کی تعلیم پر روایات یا اقوال سلف سے امانت کر دینا اس بات کا اعلان

ہے کہ قرآن دینی ضروریات بلکہ عقائد تک کے لئے معاذ اللہ ناکافی ہے“

معرض خود اپنی زبان سے ناکافی کہتا ہے اور ناکافی سمجھتا ہے، سلف اہل سنت بلکہ مسلمان تو یہ نہیں کہتے اور اپنے ہر عقیدہ پر قرآن سے ثبوت رکھتے ہیں،

عالم برنج حافظ صاحب نے انکار حدیث کے لئے اب تک جو کچھ خارج فرسائی کی ہے اور جو کچھ دلائل وبراہین

پیش کئے ہیں وہ سب خبر احاد سے متعلق ہیں خبر متواتر سے انکار نہیں لیکن اب تو انہی حافظ صاحب کے نزدیک کوئی

چیز نہیں اسکی ایک مثال انکار معجزات میں ناظرین دیکھ چکے، دوسری مثال ثواب و عذاب برزخ کا انکار ہے اس لئے کہ ثواب و عذاب برزخ کے ثبوت میں اگرچہ کوئی ایک روایت متواتر پیش نہیں کیجا سکتی ہے، مگر اس کثرت سے اس مضمون پر روایتیں موجود ہیں، کہ ثواب و عذاب برزخ علی التواتر ثابت ہے جس طرح رکعات نماز اور طریقہ نماز کے لئے کوئی ایک روایت متواتر نہیں ہے، لیکن کثرت روایات سے یہ مضمون اس طرح بالتواتر ثابت ہے کہ اختلاف اور شک کی ذرا گنجائش ایسی صورت میں عاقل صاحب کے اس انکار اور استہزاء کا اثر صرف اہل سنت اور اسلاف اہل سنت تک ہی منتهی نہیں رہتا بلکہ صحابہ کرام اور خود مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام تک پہنچتا ہے۔

عاقل صاحب کی ان تعلیمات کا سوا اس کے کوئی نتیجہ نہیں کہ لوگوں میں ضلالت و گمراہی اور تفرق و دشمنی بڑھے، فسق و فجور معاصی و مآثم پر لوگوں کو دلیری ہو، قیامت اور عذاب و ثواب قیامت کے غیر موقت ہونے کے باعث ایک تو ہر شخص یوں ہی مطمئن تھا، اگر کچھ خوف تھا تو اپنی موت کا اور خطرہ تھا تو عذاب و ثواب برزخ کا، جبکہ اکثر و بیشتر دل میں خیال آتا رہتا ہے، اور جس کو ہر شخص صبح و شام کی بات سمجھتا ہے، لیکن اب تو یہ خطرہ بھی مٹا رہا، عاقل صاحب امن برزخ کا شریکیت مفت تقسیم کر رہے ہیں، اور پروا نہ اس قرآن سے عنایت فرما رہے ہیں، اس لئے لوگ نہایت دلیری سے "نقد سے زہر" ارنیہ خوشتر باشندہ پر عمل کرینگے، بلکہ عجب نہیں بعض پست ہمت اور پریشان حال لوگ مصائب دنیاوی سے گھبرا کر اس عالم پر عالم برزخ ہی کو ترجیح دین، جو عاقل صاحب کے خیال کے مطابق نہایت امن و امان کا عالم ہے، اور اس فہم کو جو ٹھھی اور ابھی ہے، اپنی تلخ زندگی سے زیادہ پسند کریں۔

نقد کا بیان ہے،

موت کے بعد سے لیکر قیامت تک مردے اپنے رب کی حضوری سے آڑ میں رکھے جاتے ہیں، جبکہ

نام برزخ ہے، یہ غالباً فارسی لفظ پر وہ کامعرب ہے، یہ عالم برزخ قرآن کے نزدیک مطلق عالم مات ہو۔

جب موت اور قیامت کی درمیانی مدت کو برزخ کہتے ہیں، تو اسے عالم مات اور عالم آخرت کا جامع

ہوتا ہے، کیونکہ لفظ برزخ سے ذہن ایسے ہی معنی کی طرف منتقل ہوتا ہے، جیسے کہا جاتا ہے کہ "اعوان العتبت اور

دوزخ کے درمیان برزخ ہے، یعنی نہ اس سے جنت کہہ سکتے ہیں، نہ دوزخ، بلکہ ان دونوں کی درمیانی حالت کو اعوان کہتے ہیں، جس کے رہنے والے جنت کا بھی ایک حد تک لطف اٹھاتے ہیں، اور دوزخ کی مصائب اور پریشانیوں سے بھی گھبراتے ہیں،

اور اعوان کے اوپر بہت سے لوگ ہونگے، کہ وہ لوگوں کو ان کے چہروں سے پہچان لیں گے، اور اہل جنت کو کچھ کر کہیں گے، "اسلام علیکم" (ابھی یہ اہل اعوان جنت میں داخل نہ ہوئے ہونگے، مگر اس کے خواہشمند ہونگے، اور ان کی نگاہیں اہل دوزخ پر جا پڑیں گی، تو کہیں گے خداؤ! الظالمین، (اعوان ہے) ہمیں ان ظالموں کے ساتھ نہ کر۔

یاجس طرح بندہ کو انسان اور حیوان کے درمیان برزخ کہتے ہیں، لیکن بندہ مطلق حیوان نہیں بلکہ خاص انسانی کے بھی اس پر تو ہیں، اس لئے مطلق عالم مات کو برزخ کہا ہی نہیں جاسکتا، ثبوت ملاحظہ ہوا۔

حَتَّىٰ اِذَا جَاءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعْنِیْ، لَعَلِّیْ اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا نُرِکْتُ کَلَامًا، اِنِّهَا کَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا وَمِنْ وَرَآئِهَا بَرْزَخٌ اِلَیْ یَوْمٍ یُّبْعَثُوْنَ (المومنون ۹۱) یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو موت آجاتی ہے تو کہتا ہے، "اے میرے رب مجھ کو پھر (دنیا میں) واپس کر دے، تاکہ میں دنیا کو میں چھوڑ آیا ہوں، اس میں (بہر جا کر) نیک کام کروں، اگر نہیں یہ ایک بات ہے جس کو وہ کہے جا رہا ہو، اور اسکے آگے برزخ ہے قیامت کے دن تک" (المومنون ۹۱)

اس آیت کریمہ سے صاف ظاہر ہے، کہ مطلق عالم مات کو عالم برزخ نہیں کہا گیا، نیز یہ بھی تصریح موجود ہے کہ مرنے کے بعد مجرم کس طرح عذاب سے گھبرا کر دنیا میں واپسی کی التجا کرتا ہے، اگر برزخ مطلق عالم مات ہے، تو مجرم کا عذاب سے گھبرا کر دنیا میں واپسی کی التجا کرنے کے کیا معنی؟ اور اسے برزخ کہنا کس طرح درست ہو سکتا ہے؟

یہاں اس تاویل کا بھی موقع نہیں کہ یہ قیامت کا ذکر ہے کیونکہ قیامت کا ذکر اسی آیت کے بعد علیحدہ موجود ہے اور آیت میں موت کے وقت کی مراحت کر دی گئی ہے۔

سید صاحب یا اسلاف اہل سنت عالم برزخ میں حیات جہانی کے ہرگز مدعی نہیں، عاقل صاحب نے اسے
دوسری زندگی حشر کے دن ثابت کرنے کی جو کوشش کی ہے وہ تحصیل حاصل ہے، ہاں تو اثر روایات اور تصریحات
کی بنا پر یہ ضرور مانتے ہیں کہ موت کے بعد ہی عذاب یا ثواب شروع ہو جاتا ہے، اور یہ ہرگز حیات برزخ کو مستلزم
نہیں، اس لئے کہ روح اور جسم میں وہ گہرے تعلقات ہیں کہ ان تعلقات ظاہری کے انقطاع کے باوجود روح
کے عذاب و ثواب سے جسم بھی متاثر اور لذت آشنا ہوتا ہے، گو خارج میں اس کا وجود اور اثر

عالم برزخ کی جامع اور مانع مثال اس عالم مادی میں، عالم خواب سے بڑھ کر دوسری نہیں ہو سکتی اس لئے کہ خنید اور موت قریب قریب ایک ہی جنس کی چیزیں ہیں، فرق صرف اس قدر ہے کہ موت کی حالت میں جسم سے روح کو دائمی مفارقت ہو جاتی ہے، اور خنید میں مارضی، موت میں تمام تعلقات ظاہری منقطع ہو جاتے ہیں اور خنید میں کچھ نہ کچھ تعلقات باقی رہتے ہیں، اسی لئے خنید اور موت دونوں کو ایک ہی حکم میں رکھا گیا ہے۔

اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنفُسَ حِينَ مَوْتِهَا
وَالَّتِي لَمْ تَكُنْ فِي مَنَامِهَا، (زمر ۲۲)

پس جس طرح عالم خواب میں روحانی درد و تکلیف رنج و محن کی اذیتوں اور روحانی آرام و عافیت، راحت و مسرت کی لذتوں کو جسم محسوس کرتا ہے، حالانکہ ان کا نہ خارج میں وجود ہوتا ہے نہ اثر، حواس ظاہری معطل ہوتے ہیں، انسان نہ آنکھوں سے دیکھتا ہے نہ ان کا نون سے سنتا ہے، بظاہر نہ شعور ہے نہ احساس، اسی طرح عالم برنج میں بھی عذاب و ثواب قرآن و حدیث کی تصریحات کے مطابق بالکل ہی قرین عقل ہے،

انکارِ خدا و ثوابِ بزرخ کے ثبوت میں حافظ صاحب کوئی دلیل اور نہ کوئی نص صریح پیش کر سکے، ان کے

انہوں نے اعلیٰ محض قیاس اور اجتہاد پر بے معنی پر مبنی ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں :-

”کیون قرآن کریم عالم برزخ میں زندگی بخلتا ہے نہ شعور نہ احساس نہ علم نہ دیکھنا نہ سننا نہ کسی قسم کا زائد

ایکے بعد انھوں نے عالم برزخ میں عدم حیات و شعور و احساس، بے خبری اور غفلت، عدم علم اور عدم سمع ثابت کرنے کے لیے جذباتین نقل فرمائی ہیں جو مجھ کو اس قیاس کا نتیجہ ہیں :-

”یہ سمجھ لیتا چاہئے کہ پوجے وہی لوگ جاتے ہیں جو بڑے درجہ کے ہوتے ہیں، مثلاً انبیاء و اولیاء و ائمہ و مشرکین

اولاً تو یہ قیاس اور مشاہدہ کے خلاف ہے، اس لئے کہ مشرکین انبیاء اولیاء مومنین اور خدا و ملائکہ لوگوں کے توحید

لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِلَّذِينَ
آمَنُوا الْيَهُودَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا (مائده)

تمام لوگوں سے زیادہ ایمان والوں کا دشمن آپ یہود
اور مشرکین کو پائینگے۔

دوسرے یہ کہ صلحائے امت اور انبیاء موت کے بعد مطلق عالمِ موات میں نہیں ہوتے، بلکہ شہد کی طرح زندہ

اور انبیاء کو جو جہنم میں جوشہید نہیں ہوتے ہیں، تو یہ قیاس ان آیات کی رو سے تمام مخالف واقعہ ہے، بلکہ شہیدوں کی پوجا بھی اس طرح ہوتی ہے جس طرح نیکو کے لئے ہے۔ اور انبیاء اور اولیاء کی ہوتی ہے، دوسری وجہ اس قیاس کے اٹل ہونے کی یہ ہے کہ یہ قیاس قرآن کے قطعاً منافی ہے، اور حیرت

کہ معترف ہوئی کہ جو اس بے معنی قیاس کی کس طرح جرات کی اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ مشرکین نمودار برزخ اور اولیاء ربی کو پوجتے ہیں تو پھر اس آیت کے کیا معنی ہونگے،

إِنَّكُمْ وَمَنْ تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ حَصَبٌ جَعَلَهُمْ آتِمْهُمُ لَهَا وَارِدُونَ، لَوْ كَانَ هُوَ اللَّهُ الْهِتَةُ مَا وَرَدُوهَا وَكُلٌّ فِيهَا خَالِدُونَ،
(الانبیاء ۲۱)

بیشک (اے مشرکین) تم اور جنکو تم خدا کے سوا پوجتے ہو سب جہنم کے اندھین ہو اور تم سب اس میں داخل ہو گے اگر یہ دہبودان باطل (واقعی معبود ہوتے تو کیوں جہنم میں داخل ہوتے) اور کل دعاہین غیر اللہ اور معبودین غیر خدا ہیں

مشرکین کا جرم تو ظاہر ہے لیکن انبیاء اور اولیاء اگر پوجتے بھی جاتے ہیں تو اس میں انکی کیا خطا؟

حقیقت یہ ہے کہ جن آیتوں سے وہ اپنے مطلب کو ثابت کرنے کی کوشش فرما رہے ہیں اس کو ان کے دعویٰ سے دور کا لگے و بھی نہیں ان آیات میں نہ انبیاء اور اولیاء کا لفظ ہے نہ قبر اور برزخ کا اس لئے ان آیتوں سے اولیاء اور انبیاء یا ساکنان عالم برزخ مراد ہو ہی نہیں سکتے بلکہ ان آیتوں کا روئے سخن انکی طرف ہے، جنکو مشرکین پوجتے تھے پوجتے ہیں اور وہ کون ہیں؟ اس کے متعلق حافظ صاحب کے قیاس سے بالاتر قرآن کا فیصلہ مطلق موجود ہے، جہاں نہ انکی حاجت اور نہ اجتہاد کی گنجائش،

وَأَنذَرْتُ عَلَيْهِمْ نَارَ آبْرَهِمَ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَىٰ مَبِهِ مَا تَعْبُدُونَ قَالُوا الْعَبْدُ لَكُمْ مَا ظَلَمْنَا لَهَا عَافِيَتَيْنِ، قَالَ هَلْ يَسْمَعُونَ كُمْ إِذْ تَدْعُونَ أَوْ يَنْفَعُونَ كُمْ أَوْ يُضَرُّونَ
(الشعرا ۱۹)

آپ ان لوگوں سے ابراہیم علیہ السلام کا قتل بیان کر دیجئے جب انھوں نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے فرمایا کہ تم کس چیز کو عبادت کیلئے بیٹھے رہتے ہیں ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا تمہاری سنتیں ہیں جب تم ان کو پکارتے ہو یا تمہیں کچھ نفع پہنچا سکتے ہیں یا تمہیں کوئی ضرر پہنچا سکتا ہے

أَفَرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّىٰ وَمَنَاةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرَىٰ أَلَمْ يَكُنَّ أَكْثَرُ النَّاسِ تِلْكَ

کیا تم نے لات اور عزیٰ اور تیسرے مناتہ کے متعلق غور کیا کیا تمہارے لئے تو بیٹھے ہوں اور خدا کے لئے بیشیان؟ ایسی

إِذَا أَقْسَمْتُمْ حَبِيزِي إِنَّ هِيَ إِلَّا أَسْمَاءُ سَمِيَّتُكُمْ مَا أَنتُمْ وَآبَاؤُكُمْ مَا أَتَزَلُ اللَّهُ بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ،

(البقرہ ۲۴)

مذہب میں تو یہ نہایت بے دھنگی اور عمل تقسیم ہوئی یہ اللہ اور عزیٰ اور منات صرف نام ہی نام ہیں، جنکو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے مقرر کر لیا ہے، خدا نے تو ان کے زبوں ہونے) لیے کوئی دلیل آماری نہیں،

إِنَّمَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ أَثَانًا وَتَخْلُقُونَ إِفْكًا، إِنَّ الَّذِينَ يَتَعَبَّدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ لَكُمْ شَيْئًا (عنکبوت)

تم لوگ خدا کو چھوڑ کر صرف بتوں کو پوج رہے ہو اور جھوٹی باتیں گڑھ لیتے ہو، تم جن کو خدا کے سوا پوجتے ہو وہ تمہارے رزق کا بھی اختیار نہیں رکھتے،

بصورت ان آیتوں میں تصریح کے ساتھ بتوں کی مجبوری اور بیچارگی دکھائی گئی ہے کہ مٹی اور پتھر کی بنائی ہوئی بے جسم و جان صورتیں، جنہیں تم پوجتے ہو، وہ نہ تمہاری دعاؤں کو منتی ہیں نہ تمہیں کسی طرح کا نفع اور ضرر پہنچا سکتی ہیں نہ ان کے ہاتھوں میں تمہاری روزی ہے، اسی طرح حافظ صاحب کی پیش کردہ آیات کا بھی اس سے زیادہ کوئی منشا غرض ان کے اس قیاس سے ان پر صرف یہی جرم عائد نہیں ہوتا کہ انھوں نے تصریحات قرآنی کے خلاف محض قیاس اور اجتہاد سے کام لیا، بلکہ اس سے بڑا جرم یہ ہے کہ انھوں نے صحابہ و اولیاء امت اور انبیاء علیہم السلام کی شان میں دبدبہ و دانستہ بے ادبی کی، جو یقیناً مسلمانان عالم کے نزدیک لائق عفو نہیں ہو سکتی اس لئے کہ مشرکین اور ان کے معبودان کی مقررہ اور مجوزہ سراسر کون مسلمان واقف نہ ہوگا محض اثبات مدعا کے لئے اولیاء اور انبیاء کو مشرکین کے معبودان غیر خدا میں شامل کر دینا، دیدہ و دانستہ گستاخی نہیں، تو اور کیا ہے؟

فَأَن كُنْتَ تَتَدَرَّى فِتْلَتِكَ مَصِيبَةً وَأَن كُنْتَ تَدْرِي فِتْلَتَكَ مَصِيبَةً عَظِيمَةً

عذاب و ثواب برزخ کی نفی کا قیاس جس پر مبنی تھا، اسکی پست کندہ حقیقت ظاہر ہو چکی کہ وہ سراسر بے بنیاد ہے عالم برزخ میں عدم حیات و عدم شعور و احساس و عدم علم و عدم سماع وغیرہ کا دعویٰ بھی مطلقاً ثابت نہ ہو سکا، اور اب عالم برزخ میں عدم حیات و شعور و احساس وغیرہ ثابت نہیں، تو عذاب و ثواب برزخ کے انکار کی بھی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی

بالفرض معترض کے اس قیاس کو بلا دلیل مان بھی لیا جائے کہ عالم برزخ میں جسم انسانی میں نہ حیات ہے نہ شعور نہ احساس نہ سنا نہ دیکھا جب بھی یہ قیاس کسی طرح ماننے کے قابل نہیں کہ جب عالم برزخ میں جسم انسانی کو حیات و شعور و احساس نہیں تو عذاب و ثواب بھی نہیں اس لئے کہ ابھی اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ عالم برزخ کا ثواب و عذاب روح کو عالم خواب کی طرح ہوگا،

مختصر یہ کہ ایسی قیاس آرائیوں پر جسکا ثبوت خود ایک دوسرے قیاس کے ثبوت پر موقوف ہے اعتبار رکھنا باب میں اعتقاد نہیں کیا جاسکتا، میرا مطالبہ یہ ہے کہ ثواب برزخ اور عذاب برزخ کی نفی میں کوئی نص صریح پیش کر سکے ہرن تو پیش کیجئے،

عذاب و ثواب برزخ کی تردید کے لیے اس دلیل اور قیاس کی جو وقعت ہو سکتی ہے اس کا اندازہ معترض نے غالباً خود بھی کر لیا، اس لئے اب ایک دوسری دلیل کی طرف توجہ کیجاتی ہے لیکن فحس وہ بھی محض قیاس ہے "اب من قرآن کی اس تصریح کو دیکھا تاہوں کہ موت اور قیامت میں فصل زمانی نہیں ہے جو مر گیا حقیقت

اسکی قیامت قائم ہوگئی، چنانچہ کنارِ جہنم اٹھائے جائیں گے اگھبر کر کہیں گے،

يَا وَيْلَنَا مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَرْقَدِنَا ۚ

ہائے ہماری شامت ہم کو ہماری خوابگاہ سے کس نے اٹھایا؟

عالم برزخ کے غیر زمانی ہونے کے لیے یہ ثبوت محض ناکافی ہے اس لئے کہ اگر برزخ غیر زمانی ہوتا تو ہجر میں کی طرح نیکو کار بھی اس کا اندازہ نہ کر سکے، حالانکہ معترض نے جو آیت ہجر میں کے متعلق نقل فرمائی ہے اس میں تصریح موجود ہے کہ نیکو کاروں کو برزخ کی مدت کا علم ہوگا، وہ ہجر میں کو بتائیں گے کہ تم عالم برزخ میں قیامت تک ٹھہرے رہے اور یہ قیامت کا دن ہے،

وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُحْيِي الْمَيِّتُونَ
مَا لَيْشَ اَعْيَرَسَاعَةً كَذًا لَيْتَ كَانُوا يَفْقَهُونَ

اور جس دن قیامت قائم ہوگی، مہاجرین قسم کھائیں گے کہ وہ ایک گھڑی سے زیادہ نہیں رہے، اسی طرح وہ بھٹکائے

بیان اور بیانِ جہان حافظ صاحب کے معنایں سے آئین نقل لگائی ہیں وہ ان کے حوالہ کیلئے حافظ صاحب کے نشان پر اعتماد کیا گیا ہے،

وَقَالَ الَّذِينَ اُولُوا الْعِلْمِ وَالْاِيْمَانُ لَقَدْ
لَبِثْتُمْ فِي كِتَابِ اللّٰهِ اِلٰى يَوْمِ الْبَعْثِ
فَهَذَا اِيَوْمُ الْبَعْثِ لَكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ

جانتے تھے اور جن کو علم اور ایمان دیا گیا ہے، وہ کہیں گے کہ تم اللہ کے نوشتہ میں حشر تک رہے، پس یہ حشر کا دن ہے، لیکن تم اسکو نہیں جانتے تھے، اس نے ہجر میں کے اس قول سے کہ "ہماری خوابگاہ سے ہیں کس نے اٹھایا؟" عالم برزخ کے غیر زمانی ہونے کا قیاس بھی ناقابل قبول ہے اور اس قول سے کہ ہم ایک گھڑی سے زیادہ نہیں ٹھہرے یہ قیاس بھی بے معنی ہے کیا ان ہجر میں پر عالم برزخ میں عذاب ہوتا تو یہ لاکھوں بلکہ کروڑوں برس کی مدت کا اندازہ نہ کرتے کیونکہ مصیبت کی گھڑی تو بہت کٹھن ہوتی ہے؟

اسی قسم کے بے سرو پا قیاس کے متعلق قرآن کریم نے کہا ہے کہ

اِنْ تَتَّبِعُونَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا

خُرُصُونَ، ۱۳۹ دوڑاتے ہو،

اس کی زیادہ سے زیادہ وجہ یہ قرار دیا جاسکتی ہے کہ ہر خواب غفلت سے بیداری کے بعد انسان وقت کا اندازہ نہیں کر سکتا،

اصحاب کف نے سیکڑوں برس کے خواب غفلت سے بیداری کے بعد یہی کہا کہ

لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ، (کف ۱۵) ایک دن یا ایک دن سے بھی کچھ کم ہی (سوئے) رہے،

کسی تھکے ہارے، منزل مارے ہوئے مسافر کو جب خواب غفلت سے بیدار کیا جائے، گو وہ پہرے میں

ہو تو یہی کہے گا کہ ہم تو ابھی سوئے تھے، لیکن کیا اس کے اس جواب سے کوئی آدمی یہ فیصلہ کر سکتا ہے، کہ عالم خواب

میں اس نے روح فرسا مناظر اور دردناک سمان نہیں دیکھے، اور اس کو نیند میں کسی طرح کے رنج و الم و دروگاہ

کا احساس نہیں ہوا،

علاوہ ازیں حافظ صاحب جن دلائل سے عذاب و ثواب برزخ کی تردید فرما رہے ہیں، ان سے خود ان کے

خلاف نتیجہ نکلتا ہے اور انہیں دلائل سے عذاب و ثواب برزخ پر استدلال کیا جاسکتا ہے،

عاقلاً صاحب فرماتے ہیں کہ موت اور قیامت میں فصل زمانی نہیں ہے، جو مر گیا درحقیقت اس کی قیامت ہو گئی، جب موت ہی قیامت ہے، تو پھر ثواب و عذاب قیامت کی تصریحات کو حشر تک کیوں ملتوی سمجھا جائے جس کی قیامت ہو گئی اس کے لئے عذاب و ثواب قیامت بھی شروع ہو گیا،

کہاں تو عاقلاً صاحب عذاب و ثواب برزخ کے شدت سے منکر تھے، اور کہاں شہد کی حیات برزخ کو جانچ کر و چرا تسلیم کرتے ہیں، حالانکہ وہ بھی ثواب برزخ ہی کا ایک اعلیٰ درجہ ہے،

فرماتے ہیں:

”شہد یعنی مقتولین فی سبیل اللہ کے بارہ میں جو کہا گیا ہے کہ وہ مردہ نہیں ہیں، بلکہ زندہ ہیں اور اسکی حقیقت

یہ ہے کہ وہ عالم برزخ یعنی آخرت میں نہیں ہیں، بلکہ ”عند ربہم“ اپنے رب کی حضوری میں ہیں، جہاں ان کو

روزی ملتی ہے، وہ جان نکلتے ہی اس برزخ کو ایک دم پار کر جاتے ہیں،

درست! مگر سوال یہ ہے کہ عبور دنیا سے پہلے وہ برزخ کو چاند جاتے ہیں یا بعد؟ اصل بحث اور نزاع تو یہی ہے

کہ مرنے کے بعد ہی عذاب و ثواب شروع ہو جاتا ہے، یا نہیں؟ جب آپ نے یہ تسلیم کر لیا کہ شہد جان نکلتے ہی حضوری

رب سے سرفراز ہوتے ہیں، اور روزی پاتے ہیں، تو پھر بات ہی کیا رہی؟ آپ نے ثواب بعد از موت یا بافا

دیگر ثواب برزخ کو تسلیم کر لیا، اور جس آیت سے آپ نے ثواب برزخ کو تسلیم کیا، اسی کے بعد والی آیت پر اگر تعصب

کی عینک اتار کر ایک نظر فرمائیے تو شاید عذاب برزخ کو مان لینے میں کوئی عذر نہ ہوتا،

فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَ

يَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ

مِنْ خَلْفِهِمْ أَنْ لَا تَأْخُذَ عَلَيْهِمْ وَكَانَ

يَعْنِي لَوْ أَنَّ

وہ (شہد) خوش ہیں اس خیر سے جو خداوند عالم نے انہیں اپنے

فضل سے عطا فرمائی، اور جو لوگ ان سے نہیں ملے ہیں ان

پیچھے رہ گئے ہیں، ان کی بھی اس حالت پر خوش ہوتے ہیں کہ ان

پر بھی کسی طرح کا خون نہیں اور نہ وہ منہموم رہیں گے،

(ال عمران ۱۶۹)

شہد اپنے بعد آنے والے مجاہدین کے نتائج اور انجام معلوم کر کے خوش ہوتے ہیں، کہ اگر وہ بھی خدا کی راہ میں قتل

ہوئے تو انہیں بھی کوئی خوف و حزن نہ ہوگا، یعنی درمیان میں خوف و حزن کی منزل حاصل ہو چکے شہد پار کر چکے ہیں،

بہر کیف شہد کی حیات برزخ کے ثبوت سے عالم برزخ کے ثواب پر استدلال اس قدر مستحکم تھا کہ ہر رکھنچ تان کے

باوجود متعرض کو ثواب برزخ تسلیم کرنا ہی پڑا، گو وہ اسے بالفاظ دیگر ثواب بعد از موت یا عبور برزخ جو کچھ کہیں لیکن ساتھ ہی غلطی کی کہ اس ثواب

برزخ کو باذیل شہد اکیسا تھمکھوس کر دیا، اور صرف یہی نہیں بلکہ یہاں تک لکھ دیا کہ

”یہ حضوری قرآن کی رو سے کسی دوسرے کو حاصل نہیں خود نبی کو قیامت کے دن ہوگی۔“

سوال یہ ہے کہ کیا نبی اقدس کی امتی سے بھی کوئی فروتر ہستی ہے؟ جو الفاظ تعظیمی کے استعمال میں اس درجہ جا

ہے، اور کیا قرآن کی یہی تعلیم ہے،

یہ دیکھنا اگر کسی دشمن اسلام کے قلم سے نکلتے تو مقام تعجب نہ تھا لیکن حیرت تو یہ ہے کہ یہ الفاظ

ایسے شخص کے قلم سے نکلتے ہیں، جو صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ قرآن پاک کا حامل بھی ہے، اور جو اپنی قرآن وانی اور

قرآن فہمی ثابت کرنے کے لئے مجتہدانہ شان بھی ظاہر کرتا ہے، کیا ناقد کو اس حقیقت کی خبر نہیں، کہ حضور کی شان میں

نادانستہ بے ادبی کرنے سے بھی جہاں اعمال کا خوف ہوتا ہے، جیسا کہ قرآن پاک میں بار بار اس کی تصریح ہے، کیا

ازند اسلام کو یہ کہتے ہوئے خدا کا خوف نہیں ہوتا کہ حضور کے ادنیٰ خادم محض اس وجہ سے کہ اعلائے کلمۃ الحق میں

مارے جاتے ہیں، یا تبلیغ اسلام میں جان دیتے ہیں، حضوری رب سے سرفراز ہوتے ہیں، مگر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم

جن کی بدولت انھوں نے یہ سرفرازی پائی، جنھوں نے جذبہ فدایت کی ان میں یہ رُوح پیدا کی جن کی عمر مبارک کا

تمام حصہ تبلیغ اسلام میں مصائب و آلام کی نذر ہوا، جو اشاعت حق میں ہمیشہ سرکھٹ رہے، وہ زندگی میں تو حضوری

رب سے سرفراز رہے، لیکن اس جہاں سے تشریف لیجانے کے بعد حضوری رب سے محروم ہیں، کیا کسی مسلمان کی سمجھ

میں یہ بات آسکتی ہے،

متعرض اپنے دعویٰ کے ثبوت میں ایک آیت پیش کرتا ہے، لیکن آیت کے نفس مضمون کو دعویٰ سے کوئی لگا

نہیں، وہ آیت یہ ہے،

إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُ مَيِّتٌ ثُمَّ انْتَهَى

تو بھی مرنے والا ہے اور وہ لوگ بھی مرنے والے ہیں

يَوْمَ الْقِيَامَةِ عِنْدَ رَبِّكَ فَتَحْصِمُونَ

قیامت کے دن اپنے رب کی حضوری میں اپنے آپ کو بچاؤ

اس آیت میں مرنے کی خبر ہے، کہ حضور صلعم بھی مرینگے اور سب لوگ بھی مرینگے، اور اس سے کسی کو بھی انکار نہیں

انکار اس سے ہو کہ مرنے کے بعد حضور صلعم رب کی حضوری و قیامت تک کیلئے محروم ہیں اور اس آیت سے دعویٰ کے اس دعویٰ پر کوئی روشنی نہیں پڑتی

ثُمَّ انْتَهَى عَنِ الْقِيَامَةِ عِنْدَ رَبِّكَ فَتَحْصِمُونَ سے بھی یہ کسی طرح تشریح

نہیں کہ آنحضرت صلعم حضوری رب سے محروم ہیں، اور قیامت کے دن حضوری حاصل ہوگی، اسلئے کہ یہاں ضمیر جمع کی نسبت

ہوئی ہے، خاص حضور سے خطاب نہیں، بلکہ خطاب عام ہے، دوسرے یہ کہ حضوری اور عدم حضوری کا اس میں ذکر نہیں

جھگڑا پیش کرنے کا ذکر ہے، اور جھگڑا تو بہر حال قیامت کے دن پیش ہوگا جس دن مدعی مدعا علیہ اور گواہ سب حاضر

ہونگے، شہداجن کی حضوری رب کے آپ قائل ہیں، کیا ان کے جھگڑے یوم حساب سے پہلے پیش ہوئے ہیں؟

سید صاحب نے عذاب و ثواب برزخ کے ثبوت کے لیے جن آیات قرآنی سے استدلال کیا ہے وہ اپنی اپنی

جگہ اس درجہ اٹل ہیں، کہ ان کی تاویل کی سعی بھینس سعی لاحاصل ہے، چنانچہ حضرت ناقد سے ان میں سے کسی کی

تاویل بھی بن نہ سکی،

پہلی آیت جس سے سید صاحب نے عذاب برزخ کے لئے استدلال کیا ہے، یہ ہے:-

سَنُعَذِّبُهُمْ مَوْتَيْنِ ثُمَّ يَرْجُؤْنَ إِلَىٰ

ہم ان کو دو دفعہ عذاب دیں گے، پھر وہ بڑے عذاب کی

عَذَابٍ عَظِيمَةٍ طرف لوٹائے جائیں گے،

بڑے عذاب سے تو قیامت کا عذاب قطعاً مراد ہے، اب اس سے پہلے دو دفعہ عذاب کا ذکر ہے، ایک عذاب

دنیا اور دوسرا عذاب برزخ، اس کی تردید میں حافظ صاحب کا جواب بلا کم و کاست درج ذیل ہے،

کیا دنیاوی زندگی میں ان پر دو دفعہ عذاب کا ہونا محال ہے، خود اسی سورہ میں ہے،

أَكَلَا يَرْجُؤْنَ أَنْ يُعَذَّبَهُمُ فِي كُلِّ عَامٍ

کیا وہ نہیں دیکھتے کہ وہ ہر سال ایک بار یا دو بار قتل

مَرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَفْعَلُونَ،

میں ڈالے جاتے ہیں پھر بھی تو بر نہیں کرتے،

جب اللہ ان کو ہر سال ایک بار یا دو بار قتل مین ڈالتا ہے تو زندگی میں دو بار عذاب نہیں دے سکتا، پھر

کیون ایک عذاب دنیا میں اور ایک برزخ میں فرض کیا جائے، کیا اس آیت سے امام بخاری نے جو عذاب

برزخ پر استدلال کیا تو اس سے کوئی قوت اٹکی بڑھ گئی؟

کیا جو خدا زندگی بھر میں دو عذاب دے سکتا ہے، وہ عالم برزخ میں عذاب نہیں دے سکتا، پھر کیون

عذاب برزخ سے انکار ہے؟ علاوہ ازیں تاریخ سے یہ ثابت کرنا ہوگا کہ ان گنہگاروں کو قرآن کی پیشین گوئی کے

طابق دو دفعہ کون سا عذاب دیا گیا،

حضرت امام بخاری کے استدلال سے یقیناً اس کی قوت بڑھ گئی، اس لئے کہ قرآن دانی اور قرآن فہمی میں بلا

وہ ناقد سے بلند رتبہ تھے، انہیں اکابر ملت کی دنیا سے اسلام رہن منت ہے، جن کی بدولت آج قرآن کو افہام

و تفہیم میں اس درجہ آسانیاں فراہم ہیں،

سید صاحب اپنے دعویٰ کے ثبوت میں کم از کم ایک ہی دلیل رکھتے ہیں، کہ ایک علیل القدر مہذب یا یہ مسلم

امام، یعنی حضرت امام بخاری، ان کے ہتھیال میں لیکن ناقد نے تو یہ بھی بیان نہ کیا کہ یہ محض ذاتی خیال ہے، یا کسی امام

بخاری کے خیالات کی ترجمانی؟

اس کے داخل ہونے سے مضارع مستقبل قریب کے لئے محقق ہو گیا، یعنی بہت جلد کفار اور مجرمین کو ہم دو بار

عذاب میں مبتلا کرینگے، ایک تو عذاب دنیا، جو مسلمانوں کے ہاتھوں ان کو عذابات کی صورت میں پہنچا اور دوسرا

عذاب برزخ، جس کا سلسلہ مرنے کے بعد ہی شروع ہو جاتا ہے، اور یہ دو عذاب بلا استثنا ہر کافر و مجرم کے ساتھ پیش آتا ہے

کریم دونوں عذاب دنیاوی زندگی میں تسلیم کر لئے جائیں، تو کیا یہ مضمون تشنہ تحقیق نہیں رہ جاتا، کہ دنیاوی زندگی

میں وہ کون سے دو عذاب الہی ہیں، جو بلا استثنا ہر کافر و مجرم کو پیش آتے ہیں، یا خاص طور سے کفار قریش کو پیش آئے

تاریخ اس بارہ میں کیا کہتی ہے، انکار قریش پر وہ کون دو عذاب آئے جن سے قرآن کی پیشین گوئی پوری ہوئی، اس کے علاوہ دلائل کلام متقاضی ہے کہ یہ تینوں عذاب یکے بعد دیگرے مسلسل ہوں، اگر آپ دو عذاب دنیاوی زندگی میں تسلیم کرنا چاہتے ہیں، تو عذاب عظیم کو عذاب برزخ مان لینے کی صورت میں مجھے کوئی عذر نہیں، سید صاحب نے عذاب برزخ کے ثبوت میں دوسری آیت یہ پیش کی ہے:-

وَحَاقَّ بِآلِ فِرْعَوْنَ مَقْعُ الْعَذَابِ
النَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا
وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ أَدْخِلُوا آلَ فِرْعَوْنَ
أَشَدَّ الْعَذَابِ

اور آل فرعون کو بڑے عذاب یعنی آگ نے گھیر لیا جہنم
وہ صبح و شام پیش کئے جاتے ہیں، اور جب وقت قیامت
تائم ہوگی حکم ہوگا کہ آل فرعون کو اس سے بھی زیادہ
سخت عذاب میں ڈالو،

حافظ صاحب اسکی تاویل کے لئے یوں رقمطراز ہوتے ہیں:-

”آیت میں خود قیامت کی تصریح موجود ہے، لیکن ترجمہ غلط کیا گیا ہے، صحیح ترجمہ یہ ہے، اور وہ اپنے قبل کی تفسیر کرتا ہے،

آل فرعون کو بڑے عذاب آگ نے گھیر لیا، صبح و شام پیش کئے جائیں گے، یعنی قیامت کے دن حکم دیا جائیگا کہ آل فرعون کو سخت عذاب میں داخل کرو، اسکی تصریح دوسری آیت میں بھی ہے،

يَقْدُمُ رَقْعٌ مِّنْهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فَأَوْرِدْهُمْ
النَّارَ

فرعون اپنی قوم کے آگے بڑھے گا، اور انہیں جہنم میں
آتا رہیگا، قیامت کے دن،

تو اُو کو حرف تفسیر قرار دینے کی وجہ سے، جبکہ عربی نحو میں کوئی ثبوت نہیں، ترجمہ میں جو خوبی اور ندرت پیدا ہو گئی ہے اس سے قطع نظر مولانا نے ”حاق“ (گھیر لیا) معنی کو حسب عادت مستقبل کے معنی میں استعمال کیا ہے، ”سلطے ہزار کو نش کے بعد بھی سید صاحب کا مطلب ثابت ہو گیا، کہ قیامت کے پہلے آل فرعون کو عذاب نے نہیں گھیر لیا،

لے معارف:- اس صحیح ترجمہ اور تفسیر کی غلطی اہل علم سے مخفی نہیں، واد اس طرح یعنی کے معنی میں کہیں نہیں آیا،

اور یہی عذاب برزخ ہے،

دوسری آیت جو معترض نے نقل کی ہے، وہ اس آیت کے خلاف نہیں، بلکہ آیت کے اس مضمون کی تصریح ہے،
وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ أَدْخِلُوا آلَ فِرْعَوْنَ
أَشَدَّ الْعَذَابِ

اور جب قیامت ہوگی حکم ہوگا کہ آل فرعون کو سخت
ترین عذاب میں داخل کرو،

اس حکم کی تعمیل اس طرح ہوگی کہ

يَقْدُمُ رَقْعٌ مِّنْهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فَأَوْرِدْهُمْ
النَّارَ

فرعون قیامت کے دن اپنی قوم کے آگے بڑھیکر اور
انہیں جہنم میں آتا رہیگا،

مورہ میں اس آیت سے سید صاحب نے ثواب برزخ پر استدلال کیا تھا،

قِيلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ

کہا گیا کہ تو جنت میں داخل ہو جا،

اس کے جواب میں حافظ صاحب لکھتے ہیں:-

”لیکن یہ تو ایک شہید کا واقعہ ہے، اور سید صاحب نے بھی اس کو شہید تسلیم کیا ہے، اور ہم ثابت کر چکے

ہیں کہ شہدا عالم برزخ میں نہیں رکھے جاتے، اس لئے اس سے برزخ کے ثواب کا ثبوت نہیں ہو سکتا“

لیکن جب ماہ النزاع ثواب بعد از موت اور عذاب بعد از موت قبل قیامت ہے، جبکہ نام برزخ ہے، تو ثواب

برزخ کے ثبوت کے لیے یہ ایک ناقابل انکار دلیل ہے، سید صاحب نے عذاب برزخ کے ثبوت میں ایک اور ایسی
نص تصریح پیش کر دی ہے، جو فی الحقیقت مقطوع اور خاتمہ سخن ہے،

وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الظَّالِمُونَ فِي غَمَرَاتِ
الْمَوْتِ وَالْمَلَائِكَةُ بَاسِطُو أَيْدِيهِمْ

اور آپ اگر دیکھتے جس وقت گنہگار موت کی بے ہوشی میں
ہوتے ہیں، اور فرشتے ہاتھ پھیلائے ہوئے ہیں کہ اپنی جانوں

لے معارف:- سید صاحب نے روایات کی بنا پر اس کو شہید کہا ہے، قرآن میں اس کے شہید ہونے کی تصریح نہیں،
اس لئے حافظ صاحب اس کو شہید قرار دیتے ہیں قرآن پر اضافہ کے جرم کے مرتکب ہو رہے ہیں،

اَخْرِجُوا اَنْفُسَكُمْ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ
الْحَرِّ بِمَا كُنْتُمْ تَفْعَلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرُ
الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيَاتِهِ تَسْتَكْبِرُوْنَ وَ
لَقَدْ جِئْتُمُوْا فِرَادٰى كَمَا خَلَقْنَاكُمْ اَوَّلَ
مَرَّةٍ وَ تَرْكَبْتُمْ مَّآخِذَ النَّكْمِ وَاَسْرَءَ ظُهُوْكُمْ
وَمَا نَزٰى مَعَكُمْ سَفْعًا كَمَا اَلَّذِيْنَ رَزَقْنٰكُمْ
اَنْهَضُمْ فِىْكُمْ شُرَكَاءُ ۙ

۹۵

اب حافظ صاحب کی یہ تردید ملاحظہ ہو:-

وہ حالانکہ اس آیت میں مشرکوں سے جو سوال کیا گیا ہے کہ تمہارے سفارشیوں کو تمہارے ساتھ

نہیں دیکھتے یہ دراصل حشر کی بات ہے جس کی تفصیل اسی سورہ میں اس سے پہلے کر دی گئی ہے۔

کیا جو سوال حشر میں ہو وہ برزخ میں نہیں ہو سکتا، جو کچھ کھلے الفاظ کے مقابلہ میں اس سوال کو حشر کا سوال

سمجھا جائے، اور محض اس احتمال پر نص صریح کے معنی کو بدل دیا جائے، کہ حشر کی تفصیل اسی سورہ میں اس سے قبل

بیان ہو چکی ہے۔

حافظ صاحب نے سید صاحب کے دلائل کی تردید میں جن بعید از قیاس امکانات سے اثبات مدعا کی کوشش

فرمائی ہے، ان کی حقیقت آفتاب کی طرح سامنے آچکی، اب مطور ذیل میں اس موضوع پر مزید روشنی ڈالتے ہیں

سوال برزخ:-

حَتّٰى اِذَا جَآءَ تَهْمٌ مِّنْ رَبِّنَا يَأْتِيَنَّاهُمْ
يَهَانِكُمْ كَذٰبُ اَنْ كُنْتُمْ عَنْ اٰيَاتِنَا تَكْفُرُوْنَ

۱۔ اس آیت میں تصریح ہے کہ موت کے وقت یہ سوال ہوا ہے قیامت کے دن کا یہاں نام نہیں یہ موت کا حال عجیب

کے سامنے ایک کر کے لوگ آتے ہیں جس طرح ایک ایک کر کے پیدا ہوئے ہیں، قیامت کے دن لوگ اکٹھے ہو کر خدا کے سامنے جائیگے اسلئے یہ موت کے وقت کا حال ہے

نہ کہ قیامت کا

قَالُوْا اَيْنَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ

قَالُوْا ضَلُّوْا عَمَّا وُشِّدَ وَاَعْلٰى اَنْفُسِهِمْ

اَنْهَضُمْ كَانُوْا كَافِرِيْنَ (اعراف ۳۶)

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوْفَّقَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْنَ

اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا اَيْنَا كُنْتُمْ قَالُوْا لَمْ نَسْتَغْفِرْ

فِى الْاَرْضِ (النساء ۱۲۶)

چونکہ ان آیات میں موت کے وقت کی تصریح ہر اسلئے نہیں کیا جاسکتا ہے کہ یہ دراصل حشر کی بات ہے آیتوں

کے الفاظ نہایت واضح ہیں، اور سوال و جواب سے صاف ظاہر ہے کہ یہ برزخ ہی کا سوال ہے،

عذاب برزخ:-

وَلَوْ تَرٰى اِذْ يَتَقَفٰى فِي الْاٰثَرِ الْكٰفِرُ وَالْمَلِكَةُ

يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهُهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ وَذُوْجُوْا

عَذَابِ الْحَرِيقِ (الانفال ۳۶)

یہ نص صریح عذاب برزخ کے ثبوت کے لئے ایسی دلیل ہے جس کی کوئی تاویل نہیں ہو سکتی، تشریح کے ساتھ

تیار دیا گیا، کہ موت کے وقت ہی سے کفار کے عذاب کا دور شروع ہو جاتا ہے،

حَرْبَ اللّٰهِ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَمْرًآتِ

لِنُجِىَّ وَ اَمْرًآتِ لِنُجِىَّ كَانَتْ اَحْتِ عِبْدِيْنَ

مِنْ عِبَادِنَا صَالِحِيْنَ فَلَمْ يُغْنِ عَنْهُمْ صٰلِحٰتُهُمْ

مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَّقِيْلَ اَدْخُلُوْا النَّارَ

مَعَ الدّٰٓخِلِيْنَ (الحجرات ۲۶)

۱۔ ان دونوں بندوں کی خیانت کی، تو وہ دونوں نیک بند

۲۔ ان دونوں کے مقابلہ میں ان کو کچھ کام نہ آئے، اور ان دونوں

انکی جانوں کو قبض کرنے کیلئے آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ خدا کے سوا

جسکو تم پوجتے تھے، وہ کہاں ہیں، وہ جواب دینگے کہ وہاں

ہم سے غائب ہو گئے، اور اپنے کافر ہونے کا اقرار کرینگے،

جب فرشتے ایسے لوگوں کی رو میں قبض کرتے ہیں جنہوں

نے اپنے نفس پر ظلم کیا تھا تو پوچھتے ہیں تم کس (دین) میں

تھے، وہ جواب دیتے ہیں کہ ہم زمین میں مخلوق تھے،

چونکہ ان آیات میں موت کے وقت کی تصریح ہر اسلئے نہیں کیا جاسکتا ہے کہ یہ دراصل حشر کی بات ہے آیتوں

کے الفاظ نہایت واضح ہیں، اور سوال و جواب سے صاف ظاہر ہے کہ یہ برزخ ہی کا سوال ہے،

عذاب برزخ:-

اور اگر آپ دیکھیں، جس وقت کہ فرشتے کافروں کی

روح قبض کرتے جاتے ہیں اور ان کے منہ پر اور پیٹ پر

مارتے جاتے ہیں اور کہتے ہیں چلو عذاب جلتے گا،

یہ نص صریح عذاب برزخ کے ثبوت کے لئے ایسی دلیل ہے جس کی کوئی تاویل نہیں ہو سکتی، تشریح کے ساتھ

تیار دیا گیا، کہ موت کے وقت ہی سے کفار کے عذاب کا دور شروع ہو جاتا ہے،

اللہ تعالیٰ کفار کیلئے نوح اور ہود علیہما السلام کی بیویوں کی

مثال بیان فرماتا ہے کہ وہ دونوں ہمارے بندہ صالحین تھے

دونوں کے نکاح میں تھیں، ان دونوں عورتوں نے

ان دونوں بندوں کی خیانت کی، تو وہ دونوں نیک بند

اللہ کے مقابلہ میں ان کو کچھ کام نہ آئے، اور ان دونوں

۱۔ ان دونوں کے مقابلہ میں ان کو کچھ کام نہ آئے، اور ان دونوں

۲۔ ان دونوں کے مقابلہ میں ان کو کچھ کام نہ آئے، اور ان دونوں

ابھی بیان ہو چکا کہ قَبْلَ دُخْلِ الْجَنَّةِ سے عاقلاً صاحبِ مقولین فی سبیل اللہ کے عبورِ برزخ پر اس لال کیلئے
اس لئے "قَبْلَ ادْخَالِ النَّارِ" سے عذابِ برزخ کی قطعیت یں "اگر مگر" کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی،

مِمَّا خَطِيئَتُهُمْ أُعْرِضُوا عَنْهُ قَدْ خَلُّوا نَارًا
فَلَمْ يَجِدْ وَالْصُّرْمَتِ دُونَ اللَّهِ أَنْصَارًا
اپنے گناہوں کی وجہ سے وہ غرق کئے گئے پھر بعد غرق
دورِ خ میں داخل کئے گئے اور خدا کے سوا ان کو کوئی
(نوح ۶۹) بھی مددگار نہ ملا،

قوم نوح کا تذکرہ ہے، اور ف تقیب کے لیے اس لئے غرق ہونے کے بعد ہی آگ میں داخل ہونا مانا پرچا
یعنی اوہ غرقاب ہوئے، اوہ آگ میں داخل کئے گئے،
ثوابِ برزخ :-

فَأَمَّا إِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِينَ فَرَوْحٌ وَ
رَيْحَانٌ وَجَنَّةُ نَعِيمٍ وَأَمَّا إِنْ كَانَ مِنَ
الْأَحْطَابِ الْيَمِينِ فَسَلَمٌ لَّكَ مِنَ الْأَحْطَابِ
ہیں اگر (مرنے والا) مقربین سے ہے تو اس کے لئے راحۃ
رزق ہے، جنتِ نعیم ہے، اور اگر (مرنے والا) اصحابِ یسین
ہے تو آپ پر (مرنے والے) کی طرف سے جو اصحاب
یمین سے (ہے) سلام ہو، (واقعہ ۲۴)

اس آیت سے قبل موت کا ذکر ہے اور کان کی ضمیر "مرنے والے" کی طرف راجع ہے، اس لئے بلاشبہ یہ ثوابِ
برزخ ہی کا تذکرہ ہے،

اس آیت میں دو قسم کے ثواب کا ذکر ہے، ایک تو مقربین کا ثواب جس کی تفصیل بیان کر دی گئی ہے کہ وہ جان
نچتے ہی جنتِ نعیم میں پہنچ جاتے ہیں، دوسرے اصحابِ یمین کا ثواب جس کی کوئی تفصیل تو نہیں لیکن صاف ظاہر
ہے کہ وہ مرنے والا جو اصحابِ یمین سے ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجتا ہے یعنی آرام سے ہے،

مقربین میں شہداء اور انبیاء سب داخل ہیں اگرچہ ناقد نے جمہورِ مفسرین اور عام عقلِ انسانی کے برخلاف

لہ معارف :- یہ آیت بھی سیرت میں موجود ہے،

اولیاء اور انبیاء کو اس زمرہ سے خارج فرما کر مشرکین کے معبودانِ باطل کے زمرہ میں شامل کر دیا اور حضرت مسیح و کونین
مسیح پر شہداء کی نفی صحت ثابت کرنے کے لئے "عبورِ برزخ" کی ایک نئی اصطلاح ایجاد فرمائی ہے،

مسلمانوں کی امت اور انبیاء کا "عبورِ برزخ" اس مقصد پر حسب ذیل آیت شاہد ہے،

وَلَيْنَ قُتِلْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ مُتُّمْ
لَعَفْرَةٌ مِّنَ اللَّهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا
يَجْمَعُونَ وَلَيْنَ مُتُّمْ أَوْ قُتِلْتُمْ لَآ إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ
اور اگر تم لوگ اللہ کی راہ میں مارے جاؤ، یا مرنے جاؤ تو ضرور
اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رحمت اس سے بہتر ہے جسکو
یہ لوگ جمع کر رہے ہیں اور اگر تم (فی سبیل اللہ) مارے جاؤ
تو خیر ہے، (آل عمران ۱۶۸)

یہ نص صریح شاہد ہے کہ فی سبیل اللہ قتل ہونے والے اور فی سبیل اللہ مرنے والے دونوں برابر ہیں
اگر شہداء برزخ پار کر جاتے ہیں، تو فی سبیل اللہ مرنے والے بھی، مغفرت اور رحمت کا وعدہ اگر شہداء کے لیے
جان نچتے ہی پورا ہوتا ہے، تو فی سبیل اللہ مرنے والوں کے لئے بھی یہی حکم ہے، اگر شہداء حضور ہی رب سے
مرفوز ہوتے ہیں، تو فی سبیل اللہ مرنے والے بھی، کیونکہ "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ تَحْشَرُونَ" میں فی سبیل اللہ مرنے
والوں سے بھی خطاب ہے یعنی شہداء اور فی سبیل اللہ مرنے والے جان نچتے ہی سیدھے خدا کے پاس اٹھا کر پہنچا دیئے
جاتے ہیں،

وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ
ثُمَّ قُتِلُوا أَوْ مَاتُوا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللَّهُ
رِزْقًا حَسَنًا وَإِنَّ اللَّهَ لَكَفَّارٌ خَبِيرٌ
اور جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی پھر وہ لوگ
قتل کئے گئے، یا مر گئے، بیشک اللہ ان کو بہتر اور عمدہ
رزق عطا فرمائے گا، اور بلاشبہ خدا سب سے بہتر
روزی دینے والا ہے، بیشک اللہ ان کو یہی جگہ
کرے گا جس کو وہ پسند کریں گے، (الحج ۴۱)

اس آیت میں تصریح موجود ہے کہ شہداء اور فی سبیل اللہ مرنے والے، دونوں روزی پاتے ہیں

اور ان کی پسند کے مطابق انہیں جگہ ملتی ہے، یعنی حضور ہی رب،

عزف یہ آیتیں صلی اللہ علیہ وسلم اور انبیاء کے عبور برزخ، حضور ہی رب، اور روزی پائے کے لئے
ایسی حکم دہن ہیں، جنکا کوئی رد نہیں ہو سکتا، ان یہ کہدیا جاسکتا ہے، کہ انبیاء و صلی اللہ علیہ وسلم اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کا لفظ تو ان آیات میں موجود نہیں، لیکن ایک معمولی سمجھ والے انسان کی نظر میں بھی اس اعتراض کی جو وقعت
ہو سکتی ہے، وہ ظاہر ہے، اس لئے کہ یہ حقیقت کسی دلیل کی محتاج نہیں کہ انبیاء اور اولیاء سے بڑھ کر کسی انسان
کی موت فی سبیل اللہ نہیں کہی جاسکتی، بلکہ ان آیتوں میں انبیاء اور اولیاء کی تصریح سے اس رحم الرحمن کی رحمت
بیکران محدود ہو کر رہ جاتی ہے، اور اس مبلغ پر ایہ بیان نے اولیاء اور انبیاء کے ساتھ ان لوگوں کو بھی شامل
کر لیا، جو خدا کی راہ میں کوئی نیک کام کرتے ہوئے مرجائیں،

وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ اور میری رحمت ہر چیز کو گھیرے ہوئے

(الاعراف ۹/۱۹) ہے،

النبیۃ صلی اللہ علیہ وسلم

جلد چہارم

منصب نبوت کی تشریح، قبل اسلام عرب کے اخلاقی حالات، صبح سعادت کا طلوع تبلیغ
نبوتی کے اسول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغمبرانہ کام، اسلام اور اس کے عقائد پر تفصیلی اور حکیمانہ مباحث
شفاست... صفحہ، قیمت بہ اختلاف کاغذ سے ۱۰۰ سے قطع کلان،

”مینج“

ایک غلط فہمی کا ازالہ

از

جناب عاقلہ صاحب جبراجپوری

پارچ ۳۳ کے رسالہ معارف میں میرے تبصرہ کا جو جواب شائع ہوا ہے اس میں میری نسبت سب سے پہلا لفظ جو
بڑے حروف میں لکھا گیا ہے وہ منکر حدیث ہے چونکہ اس لفظ سے میرے تعلق ناظرین معارف میں غلط فہمی پیدا ہوگی،
اس لئے میں چاہتا ہوں کہ اس بارے میں اپنے خیالات خود بیان کر دوں تاکہ میرا عقیدہ واضح ہو جائے،

متواتر حدیثیں جو دو تین سے زائد نہیں ہیں اور وہ بوجہ اپنے تواتر کے یقینی کہی جاسکتی ہیں ان کو چھوڑ کر غیر متواتر
حدیثیں میرے نزدیک ظنی ہیں یعنی ان کا ثبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک یقینی نہیں ہے بشرط حدیث کا ذخیرہ جنکو حدیث
نے صحیح قرار دیا ہے، اسی قسم میں داخل ہے، اور جہاں تک مجھے علم ہے سوائے دو شخصوں یعنی امام ابن تیمیہ اور ابن صلاح
جو صحیح بخاری کی حدیثوں کو یقین کا درجہ دیتے ہیں، بقیہ ائمہ نے سب کو ظنی ہی قرار دیا ہے، اور تصریح کر دی ہے کہ وہ مفید
علم یقین نہیں ہیں، اگر کسی حدیث کی نسبت یہ یقین ہو جائے کہ وہ رسول اللہ کی زبان مبارک سے اسی طرح بیان ہوئی
ہے، تو پھر اس کے بارے میں کوئی بحث ہی نہیں رہ جاتی،

ان احادیث منطوقہ کے متعلق میرا مسلک یہ ہے کہ ان کا تعلق قرآن کریم کے ساتھ قائم کرنا ضروری ہے، جو حدیث
کے مطابق ہوں وہ مسلم ہوں اور جو مخالف ہوں وہ غیر مسلم، ان دونوں قسموں کے علاوہ جو حدیثیں ہوں وہ اگر قرآن کی کسی اصولی
تعلیم کے تحت میں آتی ہوں تو قبول کیجی شکی،

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حتی معجزات کا جو انکار میں نے کیا ہے اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ میں حدیث کا منکر
ہوں بلکہ یہ ہے کہ متعدد آیات سے جنکو میں نے اس مضمون میں نقل کر دیا ہے میں یہی سمجھ سکا ہوں کہ قرآن تصریحاً

ان سے انکاری ہے، خود بخاری کی یہ حدیث بھی،

ما من نبی من الا نبیاء الا اعطى من

الایات ما ملہ امن علیہ البشر واما

کان الذی اودیت وحیا وحاہ اللہ فی

من نے استہادائش کی ہے،

یہی صورت عذاب برزخ کی ہے جو لوگ اسکا ثبوت دینا چاہیں ان کے لئے لازم ہے کہ پہلے قرآن سے رو

کے اندر احساس، شعور بلکہ زندگی یعنی عذاب و ثواب سے اثر پذیری کی صلاحیت اور سب سے بڑا کریہ کہ زمانہ ثابت کریں ہر

فہم میں قرآن ان چیزوں سے انکاری ہے، چنانچہ میں نے وہ آیات نقل کر دی ہیں، اس لئے میں قرآن سے یہی سمجھ رہا

ہوں کہ جو مردہ دنیا سے جا رہے وہ سیدھا محشر میں جاتا ہے، برزخ کا زمانہ اس پر نہیں گذرتا، یہ حدیث کہ من مات مات

قیامتہ قرآن کے بالکل مطابق ہے،

غرض عقائد میں نص قرآنی درکار ہے، حدیثیں جو اس کے موافق ہوں گی مسلم ہوں گی، صرف حدیثوں پر کسی دینی

کی بنیاد نہیں قائم ہو سکتی، مثلاً ہمدی آخر الزمان یا مسیح و جال کا عقیدہ جنکا نام و نشان بھی قرآن میں نہیں ہے، میرے نزدیک

دینی عقیدہ نہیں ہو سکتا،

تقدیر کو میں نے خود قرآنی مسئلہ لکھا ہے، اسکی اہمیت سے بھی انکار نہیں، میرا قول صرف یہ ہے کہ اس کو اجزائے

میں قرآن نے داخل نہیں کیا ہے، جیسا کہ علماء نے کیا ہے، اور یہ میرے خیال میں زیادتی ہے،

عقائد کے بعد عمل میں میرا خیال یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کے سارے احکام پر عمل کر کے

لوگوں سے عمل کرا کے امت کو دکھلادیا، جو امت کے پاس تعامل یعنی عمل متواتر کی صورت میں نہلا بعد نسل چلا آتا ہے

اس لئے اس کے یقینی ہونے میں کوئی شبہ نہیں، اس کا بیان جن احادیث میں ہے وہ مسلم ہوں گی،

الغرض حجت و عدم حجت حدیث کی ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے، کہ حدیثیں چونکہ غلطی ہیں اس لئے اس کی ثبوت

کے واسطے شرط ہے کہ وہ یقیناً کے فی لفظ نہ ہوں، اور اس باب میں یقینی دو چیزیں ہیں قرآن کریم، اور عمل متواتر

دری دو نون نفس دین میں، اور حدیثیں تاریخ دین میں جنکا رد و قبول ان کے نفس دین کی مطابقت و مخالفت پر مبنی ہے

مثلاً اسی جواب تبصرہ میں آیت السارق والسارقة لایہ درج کر کے لکھا گیا ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

نے سارق کے ہاتھ پہنچے سے کاٹنے کا حکم دیا، یہی میں بھی کہتا ہوں کہ یہ وہی اسوہ ہے جو قرآن سے ثابت ہے اور جس کو

بار بار میں اپنی تحریروں میں ظاہر کر چکا ہوں، یعنی

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ تمھارے لئے رسول کی ذات میں اچھا نمونہ ہو

اس اسوہ حسنہ کا انکار خود قرآن کا انکار ہے،

وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَہُ الْهُدٰی وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُوْمِنِيْنَ

ہدایت نمایان ہو جانے کے بعد جو کوئی رسول کی مخالفت کرے اور

مسلمانوں کے راستہ کے خلاف راستہ اختیار کرے گا تو اسکو

تَوَلٰہُ مَا تَوَلٰی وَصَلٰہُ جَهَنَّمَ (ن-۱۴) اسی پر چلائیے اور (آخر کار) جہنم میں جلائیے،

اس مختصر سی توضیح کے بعد اگر غور کیا جائے تو میرا مسلک حقیقت سے بعید نہیں، دوسروں میں اور مجھ میں اگر فرق

ہے تو یہ ہے کہ میں قرآن ہی کو دین کا محور سمجھتا ہوں، اور احادیث اور قدما کی تشریحات کو اسکی مطابقت کی وجہ سے

نہم کرتا ہوں، یہ نہیں کہ آیات قرآن کو ان کے صحیح مفہوم سے موڑ کر احادیث اور سلف کے اقوال کے مطابق کروں،

یہ میرے نزدیک قدامت اور سلف پرستی ہے جو ناجائز ہے کیونکہ قرآن کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے،

میں یہ ہرگز نہیں کہتا کہ میں نے جو کچھ آیات کا مفہوم سمجھا ہے اسی پر سب کو ایمان لانا چاہئے، بلکہ میرا ایمان اسی

ہے جو قرآن کا حقیقی مفہوم ہے، میں غلط بھی سمجھ سکتا ہوں، یعنی سمجھنے میں غلطی بھی کر سکتا ہوں، اور جب میں دوسروں کی

قرآن فہمی میں بھی غلطی کے امکان کا قائل ہوں تو اپنی سمجھ کو کب یہ درجہ دے سکتا ہوں، کہ میں حقیقت کہوں، لیکن یہ تو

ظاہر ہے کہ میرے اطمینان کے لئے تو بہر صورت میری ہی بصیرت ہے، مثلاً آیت زیر بحث

وَلْيَعْبُدُوْا رَبَّہُمْ دُوْنَ اللّٰہِ مَا لَا یُضَرُّہُمْ

اور پوجتے ہیں اللہ سے نیچے جو چیزیں برا کرے انکا اور

وَلَا يَنْفَعُ سِرُّ وَتَقِي لَوْ تَهْوَى شَفَعَاءُنَا
عِنْدَ اللَّهِ قُلْ أَتَسْبِتُونَ اللَّهَ
بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمَوَاتِ وَلَا
فِي الْأَرْضِ (۱۱۰)

یہ ترجمہ شاہ عبدالقادر صاحب مرحوم کا ہے، میرا ترجمہ یہ ہے،

”اور وہ اللہ کے سوا ان کی پرستش کرتے ہیں جو نہ ان کو ضرر پہنچا سکتے ہیں نہ نفع اور کہتے ہیں کہ یہ لوگ
اللہ کے بیان ہمارے سفارشی ہیں، کہہ دے کہ کیا تم اللہ کو ان لوگوں کے ذریعہ سے خبر پہنچاتے ہو جنکو
آسمانوں اور زمین کی کسی شے کا علم نہیں“

میں جس قدر بھی اصحاب نظر سے دیکھتا ہوں اپنے ہی ترجمہ کو صحیح پاتا ہوں، کیونکہ مشرکین جنکو پوجتے تھے ان کی
خبر اللہ کو نہیں دیتے تھے بلکہ ان کے ذریعہ سے اپنے حال کی خبر اللہ تک پہنچانا چاہتے تھے، اور یہی معنی سفارشی بخنے
کے ہیں،

اہل سنت یا کسی خانوادہ علم کی نسبت رائے کا اظہار کر کے میرے خلاف جذبات بھڑکانے کی جو کوشش کی گئی ہے، اسکا
نسبت میں صاف کھدینا چاہتا ہوں کہ فرقہ بندی کو قرآن نے شرک اور کفر قرار دیا ہے اس لئے میں کسی فرقہ کے نام سے
اپنے کو روشناس کرانے میں اللہ سے ڈرتا ہوں، اور صرف مسلمان بننا چاہتا ہوں، جن بزرگان کرام سے اسلام تک
پہنچا ہے، ان کا منون ہوں اور ان کے حق میں یہ قرآنی دعا کرتا ہوں،

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا
إِلَى الْإِيمَانِ، اے اللہ ہم کو بھی بخش دینا اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی
جو ہم سے پہلے ایمان کے ساتھ گزر گئے،

لیکن ان کا مقلد نہیں ہوں، قرآن فہمی کا جس طرح ان کو اہل سنتا ہوں اسی طرح اپنے کو بھی اور ان تمام اہل
علم مسلمانوں کو بھی جن کے لئے قرآن اتارا گیا ہے،

معارف:-

”چند غلط فہمیوں کا ازالہ“

سب سے پہلے حافظ صاحب موضح کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے کہ انھوں نے احادیث کے متعلق اپنی پوزیشن
مان کرنے کی کوشش فرمائی ہے، اور ان کی زبان سے یہ سن کر خوشی ہوئی کہ خدا نخواستہ ان کو احادیث سے انکار نہیں
ہم کو موصوف کے اس دعویٰ کے اظہار کو قبول کرنے میں پس و پیش نہیں لیکن جو شخص ”منکرین حدیث کے دہلے“
اور ”دفع احادیث“ وغیرہ کا پرچش مصنف، اور فن حدیث کے اسلامی کارنامہ کی بار بار ترمیم کرنے والا ہو اس نے اپنے
مطلق لوگوں میں خود غلط فہمی پیدا کی ہے، یا معارف نے، امید ہے کہ موصوف اپنے اس اعلان کے بعد منکرین حدیث کے
دلائل کی طرح کوئی اور مضمون لکھ کر اس اظہار برأت کو خود مجروح کرنے کی کوشش نہ فرمائیں گے،

موصوف احادیث متواتر کو مانتے ہیں، مگر اس قسم کی متواتر حدیثیں ان کے زعم میں دو تین سے زائد نہیں
لیکن انکو حقیقت متواتر کے معنی میں منظر پیش آیا ہے،

متواتر کی دو قسمیں ہیں، متواتر لفظی اور متواتر معنوی، متواتر لفظی وہ خبر ہے جس کی روایت
کے تمام الفاظ بھی یکساں اور متواتر ہوں، یعنی اس میں لفظی کمی و بیشی بھی نہیں ہوئی ہو، جیسے قرآن پاک ان
منون میں متواتر احادیث یقیناً دو تین سے زائد نہیں ہونگی، لیکن دوسری قسم متواتر معنوی کی ہے، یعنی وہ خبر جس کی
روایت میں تمام راویوں کے الفاظ کو یکساں نہ ہوں تاہم معنی و مراد میں ہر عبارت کا کوئی ایک مشترک مفہوم ہو مثلاً آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے مطلق معجزات کا عدد درگوں کسی لفظی تواتر سے ثابت نہیں مگر کثرت واقعات کے معنوی تواتر سے یقیناً ثابت ہے اسی
طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات و سیر اور اسلام کے ضروری احکام وادامہ و نوایہ کے روایات بھی تواتر معنوی سے ثابت ہیں
غیر متواتر حدیثیں صاحب مضمون کے نزدیک تاثر لفظی ہیں،

اس میں تین باتیں قابلِ عرض ہیں، اول یہ کہ یہ موصوف کا اپنا ایک خیال ہے، جبکہ تمام اہل علم کے نزدیک صحیح
تمام مسلمانوں کے نزدیک قابلِ قبول ہونا ضروری نہیں، ایسی شاذ اور غیر مسلم راہیں کتنی ہوتی ہیں، اور ہو سکتی ہیں

دوم یہ کہ غیر متواتر کی مختلف قسمیں ہیں، مشہور و مستفیض، عزیز و غریب، مثلاً ایسی روایتیں جو دس بیس یا پچاس
ساتھ صحابہ سے متفق مروی ہیں، ان کو بھی ظنی اور ناقابل یقین قرار دینا، صحابہ کرام اور دوسرے ثقہ اور صالح مسلمانوں
کے ساتھ ناروا سوہن ہے، مثلاً آنحضرت صلعم کی طرف جھوٹی حدیث کی نسبت کی وعید سو صحابیوں سے آنحضرت صلعم
کی شفاعت کی حدیثیں چالیس سے زیادہ صحابیوں سے، حوض کوثر اور موزون پر مسح کی خبر بھی قریب ستر صحابیوں
سے اور بنائے مسجد کے ثواب کی حدیث بیس صحابیوں سے مروی ہے، علماء نے اس قسم کی انہی حدیثیں
گنائی ہیں، جن کے راوی اتنے کثیر ہیں کہ ان کو جھوٹا اور ناقابل اعتبار کہہ دینا ایک مسلمان کے لئے
بآسانی ممکن نہیں ہے،

تیسری قابل عرض بات یہ ہے کہ محدثین کی اصطلاح میں ظنی سے مقصود مشکوک اور ناقابل اعتبار
نہیں ہے، بلکہ ظنی کے معنی یہ ہیں کہ اسکی صحت کا پہلو راجح اور شک کا پہلو کمزور ہے، یعنی اس کی صحت میں آپ
عقلی احتمالات بعیدہ پیدا کر سکتے ہیں، اور اس کا اطلاق وہ ان روایات احاد پر کرتے ہیں، کہ جن پر کوئی عقلی یقین کی بنا
نہیں ہو سکتی، مگر علماء وہ قابل قبول اور قابل پیروی ہیں،

یقین کی دو قسمیں ہیں، ایک یقین عقلی یعنی یہ کہ جس کا خلاف عقلاً محال ہو، اور دوسرے یقین عملی جس کے معنی
ہیں کہ عقلی لحاظ سے گواہ اس میں شکوک و شبہات اور بعید احتمالات پیدا کر سکتے ہیں، مگر علماء آپ اس پر یقین کرتے ہیں
اور اس خبر کے مطابق آپ عمل کرتے ہیں، آپ کی طرف سے آپ کا یہ مضمون لکھا ہوا ڈاک سے ہم کو موصول ہوا، یقین
عقلی و منطقی کے لحاظ سے ہم بالیقین یہ ثابت نہیں کر سکتے کہ آیا آپ ہی کا مضمون ہے، مگر یقین عملی کے لحاظ سے
تسلیم کرتے ہیں، اور یہی سمجھ کر آپ کو جواب دے رہے ہیں،

چھپا ہوا معارف جب آپ کے پاس پہنچا جس میں آپ کے جواب میں ہمارا ایک مضمون تھا، تو آپ نے یقین کیا کہ
یہ دارالمصنفین کا چھپا ہوا رسالہ ہے، اور فلاں مضمون فلاں کا ہے، اور اسی یقین کی بنا پر آپ نے اپنا جواب لکھ کر ہم
پاس بھیجا، اب گواہ اس کا منطقی و عقلی یقین نہیں کہ یہ ہمارا معارف ہی تھا جو آپ کے پاس پہنچا تھا، کوئی دوسرا غلط

لکھا ہوا پرچہ نہ تھا، کسی نے فرضی چھاپ کر بھی نہیں بھیجا یا تھا، الخرض عقلاً منطقی طور سے اس کے معارف ہونے پر سخت
سے سخت اعتراضات ہو سکتے ہیں، مگر خود اپنے علماء اس پر یقین کیا اور جواب لکھ کر ہم کو بھیجا، اسی عقلی یقین پر دنیا کا گواہ
بارجاری ہے، اور نہ عقلی یقین تو کسی چیز پر مشکل ہی آسکتا ہے،

اب جو علماء یہ کہتے ہیں کہ یہ روایات غیر متواتر یقینی نہیں، وہ نفی منطقی و عقلی یقین کی کرتے ہیں، اور جو علماء ان
کے بعض اقسام کو یقینی کہتے ہیں وہ یقین عملی کے لحاظ سے کہتے ہیں، جس کے مطابق عمل کرنا درست ہوتا ہے، پھر جن علماء
نے غیر متواتر حدیث کو منطقی و نظری لحاظ سے ظنی کہا بھی ہے انہوں نے بھی عملی لحاظ سے اس کو ضروری العمل ہی قرار دیا
ہے، اس میں سب متفق ہیں، اس بنا پر ایک ابن تیمیہ اور ابن صلاح کیا تمام علماء اور محدثین بلکہ تمام مسلمان اس وقت
ہم اس پر عمل کرنا ضروری قرار دیتے ہیں، جب تک اس سے زیادہ صحیح روایت یا مؤثوق خبر اسکے خلاف دوسری
صاحب مضمون کا خیال ہے:-

”ان احادیث منوطہ کے متعلق میرا مسلک یہ ہے کہ ان کا تعلق قرآن کریم کے ساتھ قائم کرنا ضروری ہے،
جو حدیثیں قرآن کے مطابق ہوں وہ مسلم ہوں، اور جو مخالف ہوں وہ غیر مسلم، ان دونوں قسموں کے
علاوہ جو حدیثیں ہوں وہ اگر قرآن کی کسی اصولی تعلیم کے ماتحت آتی ہوں، تو قبول کی جائیں گی،

کاش! وضع احادیث اور منکرین احادیث کے دلائل وغیرہ گمراہ کن مضامین کے بجائے صاحب مضمون نے
اس مسلک کے مطابق قرآن پاک اور احادیث کی خدمت کرتے تو مسلمانوں کے شکریہ کے مستحق ہوتے، بخداوند کہ اس سلسلہ
میں ہم نے کچھ کام کیا ہے، اور وہ کبھی انشاء اللہ منظر عام پر آجائے گا،

بہر حال صاحب مضمون کا یہ مسلک کوئی نیا مسلک نہیں، خود محدثین بھی قریب قریب ہی کہتے ہیں،
وحکمہ اندی حجب العمل بہ مالم
خبر اعدا پر عمل کرنا واجب ہے جب تک کہ وہ قرآن یا روایت
لیکن مخالف للکتاب والسنة (خطر الامانی ملکہ) کی ثابت شدہ سنت کے خلاف نہ ہو،

لیکن اس بات کے لئے کہ یہ مضمون حدیث کسی آیت کے مطابق ہے یا نہیں، انسانی فہم کی ضرورت پیش آتی ہے،

اب ایک شخص کی تلاش و تحقیق کمزور ہے وہ کہہ رہا ہے کہ فلاں مضمون قرآن میں نہیں، لیکن دوسرے کی تحقیق میں وہ یوں پایہ کہ ایک شخص ایک آیت کا ایک مفہوم سمجھتا ہے، دوسرا شخص دوسرا مفہوم سمجھتا ہے، اس اختلاف فہم کا بنا پر احادیث کے قبول و رد میں اختلافات پیش آسکتے ہیں، مثلاً آپ کو اور سید احمد خان کو قرآن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن پاک انھوں نے معلوم کیے حتیٰ معجزات کا منکر ہے، لیکن اس سے پہلے تیرہ سو برس میں ایک مسلمان صاحب علم بھی ایسا نہیں گذرا جس نے قرآن پاک پر حکریہ جھما ہو کہ قرآن تصریحاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حتیٰ معجزات سے انکاری ہے، اب کس کی بات کا یقین کیا جائے ایک دوا دیوں کی راسے کا یا اکابر علماء کی جماعت کثیر کا؟

خود احادیث کو قرآن کی مطابقت کے باعث قبول کرنے اور نہ کرنے میں اس کے مفہوم کے سمجھنے میں ذہن کی وساطت قائم ہے، اور اس لئے نتائج مختلف ہوتے ہیں، چنانچہ صاحب مضمون نے ہماری پیش کی ہوئی اس حدیث کو مطابقت قرآن کی وجہ سے قبول کیا ہے،

ما من نبی من الانبیاء الا اعطی من الايات
ما مثله امن علیہ البشر واما صان الذی
اویت وحیا و احاط اللہ الی،
میری طرف بھیجا ہے،

اور اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کے سوا کوئی دوسرا معجزہ نہیں دیا گیا، لیکن ہمارے نزدیک بلکہ تمام علمائے اسلام کے نزدیک صاحب مضمون نے اس حدیث کے سمجھنے میں غلطی کی ہے،

ایمان بیان دعوت ایمان کے تعلق سے متحدی بہ معجزات کا ہے، جبکہ پیغمبروں نے خافین کے سامنے اپنے دعوے نبوت کے ثبوت میں پیش کیا، اور جبکہ دیکھ کر لوگ مسلمان ہوئے، نہ کہ نفس معجزات کا، جبکہ تعلق دعوئے نبوت اور دعوت ایمان سے نہیں، حضرت موسیٰ کو عصا کا سانپ بنانا، اور ہاتھ کا چمک اٹھنا، یہ دو معجزے دیکھ کر فرعون کے پاس بھیجا گیا، اور حضرت موسیٰ نے ان کو اپنی نبوت کے ثبوت میں فرعون کے سامنے پیش کیا، لیکن حضرت موسیٰ سے اور بھی معجزے صادر ہوئے مثلاً یہ کہ پتھر سے چٹخے نکلے، ہمدان کے لئے شق ہو گیا، اور من و سلوی اتر، اگر ان معجزوں کو انھوں نے کفار کے سامنے

اپنی نبوت کے ثبوت میں پیش نہیں کیا، انھیں مسلم کو وہ معجزہ جو نبوت کے دعویٰ کے ثبوت کے لئے بمنزلہ عساو و یوسف بنیان ہوا، وہ بیشک تنہا قرآن پاک ہے، لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ آپ سے اتنا سے وقائع میں دوسرے معجزات صادر نہیں ہوئے، بلکہ بہت سے معجزات صادر ہوئے، مگر ان کو انھیں معلوم نے اپنے دعویٰ کے ثبوت میں کبھی پیش نہیں فرمایا، اور ہم پیش کرتے ہیں، چنانچہ خود قرآن نے نبوت محمدی کی توثیق و تصدیق میں نزول ملائکہ اور اسرار معجزی کو پیش نہیں کیا ہے، بلکہ صرف اور تنہا قرآن کو پیش کیا ہے، اور یہی اس حدیث کا بھی منشا ہے،

اگر اس حدیث کا ہم وہ مطلب لیں جو آپ سمجھنا چاہتے ہیں تو اس ایک حدیث کی خاطر ہم کو قرآن کی بہت سی آیتوں کی رکعت تاویل کرنی پڑے گی، اور کم از کم حدیث کی دو تنویر و اتون کا انکار کرنا پڑے گا، کیا یہ طریق عقل ہے؟

اختلاف تحقیق و فہم کی دوسری مثال یہ ہے کہ صاحب مضمون کو قرآن میں برزخ کے عذاب و ثواب کی کوئی آیت نہیں ملتی، لیکن اس کے برخلاف تمام علمائے اسلام کو یہ آیتیں ملتی ہیں، اور ان کو انھوں نے پیش کیا ہے، اور وہ ان کو حدیث صحیحہ کے مطابق نظر آتی ہیں،

برزخ کے عذاب و ثواب کی جو آیتیں پچھلے مضمون میں موصوف کے سامنے پیش کی جا چکی ہیں، اگر ان کو ان سے تشبیہ نہیں ہوتی، تو اب اس کا علاج ہمارے پاس نہیں، بجز اس کے کہ اللہ تعالیٰ اول کو شرح صدر عطا فرمائے، اور صریح آیتوں کی غلط تاویل کے فتنہ سے محفوظ رکھے، اس سلسلہ میں من مات فقد قامت قیامتہ (جو مر اس کی قیامت کبریٰ ہو گئی) کے فقرہ کو حدیث کہہ کر جو صاحب مضمون نے پیش کیا ہے، وہ صحیح نہیں، حدیث کی معتبر کتابوں میں اس کا ذکر نہیں، بعضوں نے کہا ہے کہ وہ فضیل بن عیاض صوفی کا قول ہے، بعض ضعیف اور غیر معتبر حدیث کی کتابوں میں بھی اس کا نقل کیا گیا ہے، مگر یہ ثابت نہیں، اور اگر ثابت بھی ہو تو اس کا یہ مطلب ہے کہ موت کے بعد ہی سے میت سے سوال و جواب اور اس کا عذاب و ثواب شروع ہو جاتا ہے، نہ یہ کہ مرنے کے بعد غیر محسوس طور سے ہزاروں لاکھوں برس مٹی ہو کر رہنے کے بعد جس میں کوئی سوال و جواب اور عذاب و ثواب نہیں قیامت جب کھڑی ہوگی تو سوال و جواب اور عذاب و ثواب

شرع ہوگا۔ اس لحاظ سے یہ فقرہ تو صاحب مضمون کی تردید میں ہے، نہ کہ تائید میں۔ اس فقرہ کے مطابق گویا دو قیامتیں ہیں ایک شخصی اور دوسری عمومی۔ اس فقرہ میں (کہ جو مر اخاص) اسکی قیامت کھڑی ہوگئی تمام دنیا کی نہیں (شخصی قیامت کا ذکر ہے) کہ یہ ہر مردہ کے ساتھ الگ الگ حالات اور اوقات میں پیش آتی رہتی ہے، اور بحث اس مجموعی قیامت میں ہے جس میں تمام مردے بیک وقت خدا کے سامنے پیش ہونگے، اور جزا و سزا پائینگے، فافصل۔

اب تک صاحب مضمون کی تقریر یہ تھی کہ یقین صرف خبر متواتر سے پیدا ہوتا ہے، مگر اس تقریر سے نتیجہ نکالنا کہ "غرض عقائد میں نص قرآنی درکار ہے"۔

حالانکہ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ "غرض عقائد میں رسول صلعم سے خبر متواتر درکار ہے" اور یہ بالکل صحیح ہے، خواہ وہ تواتر لفظی سے ثابت ہو یا تواتر معنوی سے اور یہی کتب عقائد میں لکھا ہے۔

اس موقع پر صاحب مضمون کو "عقائد" کے لفظ میں بھی مناظرہ ہوا ہے، لفظ عقائد جو عقیدہ کی جمع ہے، لیکن اسکی اصطلاح ہے، یہ لفظ نہ قرآن پاک میں آیا ہے، اور نہ حدیث نبوی میں، صحیح لفظ ایمان ہے، اور اس سے اسی تواتر مفہوم میں چاہے ایمانیات بنالیجئے، متاخرین کے ہاں عقائد کا لفظ کبھی قرآن پاک کے ایمانیات کا مراد ہوتا ہے اور کبھی اس سے زیادہ وسیع معلوم نہیں، صاحب مضمون نے اس کو کس معنی میں استعمال کیا ہے؟ مگر چونکہ وہ آگے چل کر ہندی اور مسیح دجال کو عقائد میں داخل کرنے پر اعتراض کر رہے ہیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ عقائد کو ایمان سے زیادہ وسیع معنوں میں لے رہے ہیں اور یہی انکی غلطی کا سبب ہے،

اگر وہ عقائد کو ایمانیات کے معنوں میں لے لیتے کہ ان کے لئے "نص قرآنی درکار ہے" تو بے شبہ انکا کتنا صحیح ہوتا، اور یہ سچ ہے کہ ایمانیات کے لیے جس کے قبول سے ایک کافر مومن بنتا ہے، "نص قرآنی درکار ہے" لیکن "عقائد کو ایمانیات سے زیادہ وسیع معنوں میں استعمال کر رہے ہیں، عقیدہ کے وسیع معنی یہ ہیں، کہ رسول سے جو کچھ اور اہل ایمان تواتر نقل یا تواتر نقل سے مروی ہیں، ان کو صحیح باور کرنا، ان عقائد کے لئے نص قرآنی کی ضرورت نہیں کہ اگر ان کے لئے نص قرآنی ہی موجود ہوتی تو ان کو تواتر نقل و تواتر نقل کے ذریعہ سے ماننے کی حاجت ہی کیا پڑتی

بہر حال عقائد یعنی دوم کے لئے نص قرآنی درکار نہیں، بلکہ وہ تمام روایات جو نقل و تواتر لفظی یا معنوی سے اور وہ تمام امور جو تواتر عمل سے ثابت ہیں، ان کو صحیح و ثابت باور کرنا اور یقین کرنا یہی ان کا عقائد میں داخل ہونا ہے، جب مضمون خود قرآن پاک سے الگ تواتر عمل سے ثابت شدہ چیزوں کو دین کا ضروری حصہ قرار دیتے ہیں، اور جب دین کا ضروری حصہ قرار پائیں تو ان کو رسول سے صحیح طور سے ثابت شدہ اور ضروری جاننا اور باور کرنا بھی ضروری ہوا اور یہی "عقیدہ" کہلاتا ہے، حالانکہ ان میں سے بعض چیزیں نص قرآنی میں مذکور نہیں، مثلاً تواتر عمل یا تواتر نقل کی بنا پر حسب ذیل امور پر وہ بھی اعتقاد رکھتے ہیں،

۱۔ ہر مومن پر دن رات میں پانچ وقت نماز فرض ہیں،

۲۔ ٹھہر و عصر و عشاء میں چار چار فجر میں دو اور مغرب میں تین رکعتیں فرض ہیں،

۳۔ مال کی محینہ مقداروں پر مقررہ رقم زکوٰۃ فرض ہے،

۴۔ نماز جمعہ میں دو رکعتیں فرض ہیں، اور ان کے قبل خطبہ ضروری ہے،

۵۔ نکاح بدون شاہدین ناجائز ہے،

وغیرہ وہ تمام امور جو صاحب مضمون کے نزدیک صرف تواتر عمل سے ثابت ہیں، ان کو صحیح یقین کرنا ان کے عقائد میں درمیان داخل ہے، مگر نص قرآنی سے ان کا ثبوت نہیں،

ہندی آخر الزمان اور مسیح دجال کا عقیدہ بیشک قرآن میں نہیں، اسلئے وہ اسلام کے ایمانیات کا جز نہیں، لیکن عقائد

کے دوسرے معنی میں یعنی رسول کے ان اخبار کو صحیح جاننا جو نقل متواتر سے ثابت ہوں وہ ان لوگوں کے عقائد کا جز ہیں

جو ان اخبار کے نقل متواتر ثابت ہونے کے قائل ہیں، علاوہ ازیں جہانگیر ہم کو معلوم ہے ہندی آخر الزمان

کا عقیدہ بتصریح اہل السنۃ کے عقائد میں داخل نہیں، بہر حال اگر صاحب مضمون کو ان روایات پر اعتبار نہیں

تو ان کو حق حاصل ہے، کہ وہ ان کے نقل تواتر سے انکار کریں، اور اس موضوع پر اپنے دلائل

پیش کریں،

تقدیر کو جب صاحب مضمون قرآن کی تعلیم مانتے ہیں، تو وہ ان کے تفصیلی ایمان کا بھی جز ہو گا، مسئلہ تقدیر کو کون
کی تعلیم بھی ماننا اور ایمان مفصل کے اجزاء سے اسکو خارج بھی کرنا، تضاد کو یکجا کرنا ہے،

تو اتر عمل کی نسبت مضمون نگار کا بیان صحیح ہے، صرف ایک بات کا اضافہ کرنا ہے، ہر اس کام کو جو عام طور
مسلمانوں کے اندر رواج پذیر ہو، اور مسلمان علما اس پر کار بند ہوں، کیا تو اتر عمل کی بنا پر صحیح مان لیا جائے گا؟
آج مسلمان عموماً قبر پرستی کرتے ہیں، تو کیا ان کے تو اتر عمل کی بنا پر اس کو صحیح مان لیا جائے گا، یا تمام مسلمانوں میں تو
محاسن میلاد کا رواج ہے تو کیا تو اتر عمل کی بنا پر ان کی صحت کو تسلیم کر لیا جائے گا، اور بھی بہت سے بدعات کا علما و
عام ہے، تو ان سب کو تو اتر عمل کہا جائیگا؟ اگر کہا جائیگا تو یہ غلطی ہے، اور اگر نہیں کہا جائیگا تو کیوں؟ آپ کہیں گے
کہ یہ اسلئے کہ محمد رسول سے یہ جاری نہیں، اب اس کے ثبوت کے لئے کہ محمد رسول سے یہ جاری ہیں یا نہیں، آپ کو
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال و سنن کے ایسے محفوظ مرقع کی ضرورت ہے جس کو سامنے رکھ کر آپ فیصلہ کر سکیں کہ یہ رواج
عام رسول کے وقت سے جاری ہے، یا بعد کو اگر شامل ہو گیا ہے،

ایک اور بات یہ ہے کہ جان تک متفق علیہ تو اتر عمل کا تعلق ہے، مضمون نگار کی رائے صحیح ہے لیکن بعض ایسی
باتیں بھی ہیں، جو متفق علیہ نہیں ہیں مثلاً مسلمانوں کا ایک فرقہ ہر نماز میں سورہ فاتحہ پڑھتا ہے، اور بغیر اس کے کوئی نماز
درست نہیں سمجھتا ہے، دوسرا فرقہ ہے، جو جماعت میں مقتدیوں کو سورہ فاتحہ پڑھنے سے منع کرتا ہے، اب تو اتر عمل سے
آپ ان دو طریقوں میں سے کس کو صحیح سمجھتے ہیں،

مسلمانوں کی مختلف قوموں، ملکوں، اور فرقوں کے اندر علما سینکڑوں باتیں باہر سے اگر شامل ہو گئی ہیں
ان بیرونی باتوں (بدعات) کو بیرونی اور خارج از دین قرار دینے کی صورت آپ کے نزدیک کیا ہوگی،
پھر اس کی ذمہ داری کیا ہے کہ مسلمان اپنے تو اتر عمل کو اب تک محفوظ رکھے ہوئے ہیں، اور آئندہ بھی
محفوظ رکھیں گے،

ان وجوہ سے اگر صحابہ کرام اور حضرات تابعین اور تبع تابعین نے رسول کی صورت عمل کو علما کے سامنے

ساتھ روایت اور تحریر بھی اوراق میں محفوظ کر دیا تو اسلام پر کتنا بڑا احسان کیا، احادیث صحیحہ کے آئینہ میں رسول
کے عمل کی اصلی تصویر کو محفوظ کر دیا اور تو اتر عمل سے اسکی تصدیق کر دی،

خدا کا شکر ہے کہ آپ تو اتر عمل کے مطابق تمام حدیثوں کو قبول کرتے ہیں، نیز رسول کے اسوہ کو بھی تسلیم کرتے
ہیں، اب باقی کیا رہ گیا، بہر حال اب اس اعلان سے آپ کے متعلق وہ بہت سی غلط فہمیاں غالباً دور ہو جائیں گی، جو آپ
مضامین سے آپ کے متعلق پیدا ہو گئی تھیں، امید ہے کہ اب آپ آخر تک اپنے اس اعلان کردہ مسلک پر قائم
رہیں گے، اور اسوہ رسول کی تمام صحیح حدیثوں کو قبول کر لیں گے، خواہ وہ متواتر ہوں یا احاد،

اس طرح پر گویا آپ نے اپنے قول اول کے خلاف یہ تسلیم کر لیا کہ اخبار احاد متعلق اسوہ رسول جن سے احکام
قرآنی کی تشریح ہوتی ہے، قابل قبول ہیں، واللہ اعلم،

ہم آپ کو آپ کے اس اعلان پر دوستانہ مبارکباد دیتے ہیں،

اور کھل جائیں گے دو چار ملاقاتوں میں!

اس کے بعد آپ فرماتے ہیں:-

”میں قرآن ہی کو دین کا محور سمجھتا ہوں، اور احادیث اور قدامت کی تشریحات کو اس کی مطابقت

کی وجہ سے صحیح تسلیم کرتا ہوں، یہ نہیں کہ آیات قرآنی کو ان کے صحیح مفہوم سے موڑ کر احادیث اور سلف

کے اقوال کے مطابق کروں، یہی میرے نزدیک قدامت پرستی اور سلف پرستی ہے، جو ناجائز ہے؟

بات تو بہت صحیح ہے، مگر اس کا فیصلہ کون کرے گا کہ آیات قرآنی کو ان کے صحیح مفہوم سے موڑنے کا جرم کس نے

کیا ہے، کیا عجیب بات ہے کہ بے موقع ”داؤد“ کے معنی ”شیطان“ کے معنی ”سانپ“، ”شجر“ کے معنی ”جھوٹ“، ”جن“ کے معنی ”انسان“

کا ایک گروہ وغیرہ آپ لیں، اور آیات قرآنی کو ان کے صحیح معنی سے موڑنے کا جرم دوسروں پر عائد کریں، تیرے

برس کے متفقہ عقائد، احادیث اور اکابر علماء اسلام کے مطابق اگر ہم قرآن کو سمجھیں تو قرآن کو اس کے اصلی مفہوم

سے موڑنے کا جرم کریں، اور آپ متفقہ عقائد، احادیث، لغت، قواعد نحو، اور اکابر اسلام کی تحقیقات سے تنہا صرف

اپنے علم و فہم کی بنا پر مخالفت کریں تو وہ عین قرآن قرار پائے،

آیت مذکورہ کا جو ترجمہ تمام مفسرین و مترجمین کے خلاف آپ کرتے ہیں، اور آپ کو اس کے صحیح ہونے پر اصرار ہے، ہم اس کو غلط سمجھتے ہیں، قرآن پاک میں انبأ اور نبأ کے الفاظ کم از کم دس پندرہ موقعوں پر استعمال ہوئے ہیں، ہر جگہ ان کے بعد ب ہے، مگر ہر جگہ بلا استثناء یہ صمد کی ب ہے، جو مفعول پر پڑتی ہے، کہیں بائے استثناء نہیں ہے، اس لئے قرآن کے تمام استعمالات کے خلاف ایک جگہ صرف اپنی فہم واحد کی وجہ سے بائے استعانت عین قرآن پاک کے عام طرز و اسلوب سے آپ انحراف کرتے ہیں،

اسی آیت کے ہم معنی ایک اور آیت پیش کی جاتی ہے، جس میں سفارشی کا لفظ بھی نہیں جس پر آپ کے استدلال

کی بنیاد ہے،

وَجَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ قُلُوبُ سَمُومٌ ۖ اَمْ تَنْتَبِهُونَ رُبَّمَا كَايِلُكُمْ فِي الْاَسْرَافِ ۚ اَمْ يَبْظَاهِرُ مِنْ الْقَوْلِ ۚ

اور انھوں نے اللہ کے لیے شرک ٹھہرائے، کہو کہ تم ان (شرکیوں) کے نام تو لو کیا تم خدا کو (ایسے شرکیوں) کے ہونے کی خبر دیتے ہو جبکہ وہ زمین میں جاتا بھی نہیں یا زمین

(رعد - ۵) اوپری (بے اصل) بات خدا کو بتاتے ہو،

اہل علم غور کریں کہ عطف کی وجہ سے جو ب "بظاہر من القول" پر ہے وہی ب "بما لا یعلم" پر ہوگی، کیا صاحب مضمون خود بھی جرات کر سکتے ہیں، کہ اپنے خیال کے مطابق وہ بظاہر من القول میں بائے استعانت مراد ہے اور یہ کہ لیکن کہ ظاہری قول بھی عرب کا کوئی دیوتا تھا، اس بنا پر ناممکن ہے کہ بما لا یعلم میں بائے استعانت مراد ہے۔ درحقیقت ظاہری قول اور اوپری بات کو بھی ایک دیوتا ماننا پڑے گا، جس کے ذریعہ خدا کو خبر دی جاتی ہے،

آیت کا مطلب یہ ہے، کہ اہل عرب کو جو بتوں کی پوجا کرتے تھے، اور ان کو خدا کا شریک اور خدا کے ہاں شفیع جانتے تھے، اپنے ملک کی نسبت گمان تھا کہ یہی اصل دین ہے، جو حضرت ابراہیم سے اب تک چلا آتا ہے، اور یہ کہ خدا ہی نے ہم کو ان کے شریک و شفیع سمجھنے کا حکم دیا ہے، یعنی کفار قریش اپنی بتوں

کو خدا کا دین سمجھتے تھے، جس طرح آج بھی کچھ لوگ بزرگوں کی قبروں اور اولیاء کی یادگاروں کی پرستش و منّت اور ان سے درخواست دعا کو خدا و رسول کا دین سمجھتے ہیں، ان کفار قریش کے جواب میں یہ کہا جا رہا ہے کہ کیا تم خدا کو بتا رہے ہو کہ دین حق کیا ہے؟ خدا کو تو ان بتوں کے شریک و شفیع ہونے کا علم نہیں، بلکہ اس کا علم یہ ہے کہ یہ بت خدا کے شریک و شفیع نہیں ہیں، جو بات خدا کے علم میں نہیں وہ قطعاً باطل ہے، اس لئے ان بتوں کا شریک و شفیع ہونا قطعاً باطل ہے،

اس آیت کا جو مطلب ہم نے بیان کیا ہے، اسکی صحت پر تین دلیلین ہم نے پیش کی ہیں، جنکی ذیل میں تجھ کر دیا جاتا ہے۔ ۱۔ قرآن پاک میں انبأ اور تنبأ کے بعد ہمیشہ صمد کی ب آئی ہے، ذریعہ اور استعانت کی نہیں، اسلئے زیر بحث آیت میں بھی ایسی ہی ب ہوگی، نہ کہ استعانت کی جیسا کہ آپ سمجھتے ہیں،

۲۔ تمام زبان دان، اور اصحاب علم علمائے اسلام، مفسرین اور مترجمین نے یہی سمجھا ہے، اور نیز کسی قوی دلیل کے ان سب کے خلاف جانا بڑی ذمہ داری کا کام ہے،

۳۔ اس زیر بحث آیت کے ہم معنی قرآن میں ایک اور آیت ہے، جس میں آپ کا بیان کردہ مطلب قطعاً درست نہیں ہو سکتا، اسلئے اس آیت میں بھی نہیں ہو سکتا،

اہل سنت کی نسبت صاحب مضمون نے جس تحقیرانہ خیال کا اظہار کیا تھا، اس کو مسلمانوں کے سامنے پیش کرنا ہمارا فرض تھا، تاکہ اہل سنت مسلمان ان کو اہل سنت میں سے سمجھ کر دھوکا نہ کھائیں، باقی یہ کہ ان کے خلاف خیال کو بھڑکانے کی نیت سے کوئی بے اصل بات کہی گئی ہے، تو اولاً تو ایسا نہیں ہے، ثانیاً صاحب مضمون کو اپنی اسلامی پوزیشن کی نسبت مغالطہ نہ ہونا چاہئے، وہ نہ سیاسی لیڈر ہیں، نہ مذہبی متبوع عالم اور نہ کسی ذاتی رسالہ کے ادیب ہیں، جو ان کے خلاف جذبات کو بھڑکا کر کوئی فائدہ حاصل کیا جائے، صاحب مضمون سے زیادہ عزیر جامعہ قادیان ہے، اگر جامعہ قادیان کے مدرس ہونے کی نسبت ان کو حاصل نہ ہوتی تو شاید ان کے مضامین کی تردید کی ضرورت بھی پیش نہ آتی، فرقہ بندی کو قرآن پاک نے شرک و کفر تو کہیں نہیں کہا، ہاں ایک معنی میں گمراہی بیشک کہا ہے، "اسی لئے اہل سنت"

نے اپنے لئے فرقہ بندی کا کوئی تقاضا اختیار نہیں کیا ہے، نہ کسی شخص خاص کی طرف اپنے کو منسوب کیا ہے، سنت کے معنی انہیں دو اموروں کے ہیں جنکو صاحب مضمون نے صحیح طور سے اس شروع کے ساتھ پیش کیا ہے یعنی تراویح اور اسوۂ رسول، اہلسنت وہ ہیں جو دین میں نئی نئی بدعتوں سے علاوہ رہ کر صرف اُس راہ پر چلتے ہیں جو رسول کا اسوہ تھا، اور جو رسول اور صحابہ کرام کے قواعد و اصول سے ثابت ہے، اس لئے اہلسنت ہونے کا اظہار نہ فرقہ بندی ہے، اور نہ کوئی ڈرنے کی چیز۔

قرآن فہمی میں آپ کسی قاعدہ علم کی تقلید یقیناً نہ کریں، مگر ان پر اعتراض کرنے میں بھی آپ اس وقت تک پیش قدمی نہ کریں جب تک ان سے زیادہ علم و عمل اور فضل و کمال پیدا نہ کر لیں، قرآن فہمی نصیحت پذیری، نیکو کاری اور حصول معرفت کے لئے یقیناً ہر مسلمان کا حق ہے، بلکہ اس پر فرض ہے، لیکن قرآن پاک سے استنباط سائل اور اجتہاد کے لئے علم و عمل کے کچھ شرائط درکار ہیں، جنکا ہر شخص میں پایا جانا ضروری نہیں، اور ان معنوں میں قرآن فہمی کا اہل ہر مسلمان نہیں،

آخر میں صاحب مضمون کے نزدیک غور کے لئے ایک نکتہ پیش ہے، امید ہے کہ وہ اس پر غور کرینگے، وہ کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کے سارے احکام پر عمل کر کے اور لوگوں سے عمل کر کے امت کو دکھلادیا جو امت کے پاس تعامل یعنی عمل متواتر کی صورت میں نسلاً بعد نسل چلا آتا ہے،

سوال یہ ہے کہ بطرح حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کے سارے احکام پر عمل کر کے اور لوگوں سے عمل کر کے امت کو دکھلادیا، کیا اسی طرح قرآن مجید کے سارے عقائد پر خود یقین کر کے اور لوگوں کو اُن پر یقین دلایا، یا نہیں، اور وہ عقائد نقل و نوا کی صورت میں نسلاً بعد نسل چلے آتے ہیں یا نہیں، اگر نہیں آتے تو کیوں نہیں، کیا صحابہ اور تابعین ہی کے عہد میں یہ تواتر ہو گیا، یا بعد ازاں میں اس تواتر نقل کا پتہ لگا کر ان کو قبول کرنا چاہئے، اور یہی اہلسنت کا مسلک ہے، اور اگر چلے آتے ہیں تو انکے خلاف نہ سے عقائد کی راہ میں تلاش کرنا اس تواتر سے بغاوت ہے یا نہیں، جسکی اس شدت سے بجا طور پر آپ تلقین کرتے ہیں، اسی کا دوا نام بدعت ہے جس سے ہم آپ کو بچانا چاہتے ہیں، والسلام، علی من اتبع الهدی،

عالم برتر

از

جناب مولانا شمس الدین صاحب امرتسری اوڈیڑ اہل حدیث

ذیل میں ہم اہل حدیث کے ایک مستند عالم کی تحریر شائع کرتے ہیں، جسے دو باتیں غائب ہو گئی، ایک یہ کہ حافظ اسلم صاحب کو ان کے مضامین کی بنا پر جیسا معارف نے سمجھا تھا ویسا ہی دوسرے اہل علم نے بھی سمجھا، اور ان کے سمجھنے میں معارف نے غلطی نہیں کی، دوسری یہ کہ علاوہ دوسرے امور کے جن دو باتوں پر ہم اُن کو ٹوکا ہے، اُن کی نسبت دوسرے اہل علم کا فیصلہ بھی یہی ہے کہ وہ ان میں برسرِ باطل ہیں،

«معارف»

جماعت اہل قرآن (منکرین حدیث) کے حق میں ہم اس امر کے معترف ہیں کہ قرآن مجید کو پڑھتے اور غور کرتے ہیں، باوجود اس کے بہت سے امور میں کل اہل اسلام سے مختلف ہیں، ان کی مثال ہمارے نزدیک یہ ہے کہ ایک شخص کی ایک آنکھ بالکل بند ہو جائے اور دوسری دکھنے لگ جائے تو بنیائی کا کیا حال ہوگا؟ یہی حال ہے اہل قرآن کا حدیث کی آنکھ تو بالکل بند ہے، رہی قرآنی آنکھ سو اس کی بنیائی میں یوں فرق آگیا، کہ قرآن مجید کو اپنی رائے کے ماتحت کرنے کی کوشش کرتے ہیں،

گزشتہ ایام اور سن میں ہم نے مولوی عبداللہ حکیم الہی اور مولوی احمد دین امرتسری وغیرہ کی طرف توجہ مبذول رکھی تھی، اور جوابات کے سلسلہ میں ہم نے تفسیر بالترائے کی کئی مثالیں بتائی تھیں، آج ہمارا دوسرا نکتہ ایک جدید اہل قرآن کی طرف ہے، جنکا نام نامی ہے مولانا حافظ اسلم جیرا جو پری پروفیسر جامعہ ملیہ دہلی

تردید حدیث کے گزشتہ ٹھیکہ داروں کے بعد آجکل حافظ اسلم صاحب نے یہ کام اپنے ذمہ لیا ہے، حافظ صاحب

کے مضامین مخالفین سے آج جس مضمون پر ہم توجہ کرتے ہیں وہ عالم برزخ از روئے قرآن ہے۔ اس مضمون میں مومن نے یہ ثابت کرنے کی سعی کی ہے کہ عام طور پر جو یہ خیال کیا جاتا ہے کہ بعد از موت تا قیام قیامت ایک مدت دراز ہے جس میں نیک و بد لوگ اپنے اعمال کے مطابق بدلہ پاتے رہیں گے، پھر قیامت کے روز ان کا حشر ہوگا، یہ قرآن مجید سے ثابت نہیں بلکہ عالم برزخ آپ کے الفاظ میں یہ ہے:-

عالم برزخ قرآن کے نزدیک مطلق عالم مات ہے جس میں کسی قسم کی حیات کا شائبہ نہیں ہے۔ (جامعہ بابت جنوری ۱۳۳۵ء ص ۵)

باوجود اس کے شہدائے نبیل اللہ کے حق میں زندگی کے معترف ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں کہ بیشک شہدائے نبیل اللہ کے بارے میں قرآن نے تصریح کر دی ہے کہ وہ زندہ ہیں، کی حقیقت یہ ہے کہ وہ برزخ یعنی اُز میں نہیں رکھے گئے ہیں، بلکہ عند ربہم اپنے رب کے حضور ہی ہیں جہاں ان کو روئی ملتی ہے، وہ جان بچنے کے ساتھ ہی اس برزخ کو ایک دم پار کر جاتے ہیں۔ (ایضاً ص ۶)

ابحدیث جس طرح قرآنی نص کے ماتحت آپ نے شہد اکو زندہ اور مردوق مانا ہے، ہم ایک آیت آپ کی توجہ میں لا کر امید رکھتے ہیں کہ ان لوگوں کو بھی اس مدین داخل فرمالین گے، وہ یہ ہے،

الَّذِينَ تَتَوَفَّوهُمُ الْمَلَائِكَةُ طَيِّبِينَ
يَقُولُونَ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ
بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ، (پہلا ع ۱۰)

یعنی فرشتے جن لوگوں کی ارواح ایسے وقت میں قبض کرتے ہیں کہ وہ بد اعمال کی نجات سے پاک ہوتے ہیں، انکو وہی فرشتے سلام علیکم کہہ کر لے کر جنت میں داخل ہو جاؤ گیونکہ تمہارے کام اسی قابل ہیں۔

اس آیت نے صاف بتا دیا ہے کہ نیک اعمال کرنے والے صاحبین کو موت کے بعد جنت میں داخل کیا جاتا ہے جس پر غالباً مانتا صاحب موصوف کو بھی اعتقاد ہوگا، اسی طرح کفار ناہنجار کے ذکر میں فرمایا:-

الَّذِينَ كَفَرُوا وَعَمَلُهُمْ شَرٌّ مِّنْ آبَائِهِمْ يُعَذِّبُهُمْ فِي النَّارِ لَبِئْسَ الْمَصِيرُ

وَتَقَعُ السَّاعَةُ أَدْخِلُوا آلَ فِرْعَوْنَ أَشَدَّ الْعَذَابِ ط (پہلا ع ۲۴)

اور جب روز قیامت قائم ہوگی اس روز تم کو جگہ کہ آل فرعون کو سخت ترین عذاب میں داخل کرو،

آیت سابقہ صاحبین کے حق میں بعد موت جنت کا اظہار کرتی ہے تو دوسری آیت کافروں کے لئے متصل موت ہی عذاب کا ثبوت دے رہی ہے، یہی عالم برزخ ہے جس کی بابت ارشاد ہے،

وَمِنْ وَرَائِهِمْ بَرْزَخٌ إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ ط (پہلا ع ۲۵)

ان کے آگے بزرخ ہے ختم،

ہمارا دعویٰ تو ان دو آیتوں سے ثابت ہے، مگر مولانا اسلم صاحب نے جو اس مضمون میں خرق عادت کمال کیا ہے اس کا اظہار نہ کرنا بھی غالباً موصوف کی بے قدری ہے، (اول) آپ نے اس آیت (الذاریہ ص ۱۰) کا ترجمہ یوں کیا ہے

آل فرعون کو برے عذاب نے گھیر لیا جس پر صبح اور شام پیش کئے جائیں گے یعنی قیامت کے دن حکم دیا جائیگا کہ آل فرعون کو سخت ترین عذاب میں داخل کر دو۔

مانتا صاحب نے اس میں یہ کمال کیا کہ یعنی لگا کر یہ ظاہر فرمایا کہ واو عطف تفسیری ہے عطف مناسبت نہیں، حالانکہ عطف تفسیری وہاں ہوتا ہے جہاں معطوف اور معطوف علیہ کا مصداق ایک ہی ہو جیسے اس آیت میں،

فَسَتَعْلَمُونَ مَنِ اصْحَابُ الصُّرَاطِ السَّوِيَّةِ ط

جان لو گے کون سیدھی راہ والے اور کون

وَمِنْ اهْتَدَى ط (پہلا ع ۱۶)

ہدایت یاب ہیں،

چونکہ اصحاب الصراط السوی اور اصحاب ہدایت ایک ہی ہیں اس لئے یہ عطف تفسیری ہے، مگر آیت زیر بحث میں ازوجہ الگ الگ ہیں، پہلا جملہ خبریہ ہے، دوسرا انشائیہ، اس کو عطف تفسیری بتانا غالباً ہمارے اول دعویٰ کی تصدیق ہے کہ اہل قرآن بالقصد ایک آنکھ کی روشنی سے بھی کام نہیں لیتے،

مقام تعجب ہے کہ مولانا جیراج پوری باوجود ذی علم ہونے کے ایسی حرکت کے مرکب کیوں ہوئے، غالباً متوہ الصبیحة منی ثروتہ صحیح ہے،

لے معارف :- یعنی ہم معنی ہو یا ہم مصداق ہو،

اور اس خیال کو مال میں ہر پہلے اپنے سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کیا ہے یہ دعویٰ نشتے کے وقت سے جلا آیا ہے جو ساحل بانک کے خوبصورت دشتی (Gold and Pearl of the Mallic) کی منقبت سرائی سے کبھی تک ای نہ تھا اور سرے لوگوں نے بھی مذہبی جوش کے ساتھ ویدک سنسکرت کا قدیم ترین زبان ہونا بیان کیا ہے اور اس کو بالکل بھول گئے ہیں کہ قدیم مصری یا سمیری زبان کے مقابلہ میں ویدِ حال کی ایک چیز ہے ہم میں سے بہتر سے لوگ ہر اسے اور ماہرین انسانیات کے تہذیب کے باوجود اب تک آریں کو ایک نسل ہی کہتے جا رہے ہیں گو یا وہ تمام قومیں جو آریں زبان بولتی ہیں ایک ہی خاندان اقوام کی رکن تھیں حالانکہ نسلی حیثیت سے مغربی یورپ کی قوم سلٹ (CELTS) اور ان آریوں میں کوئی تعلق نہیں جو ہزار سالہ قبل مسیح میں سیستان اور پنجاب میں وارد ہوئے تھے اسی طرح آج کے ہندو اپنے کو آریہ کہنے کے شائق ہیں حالانکہ جدید تحقیق سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ راجپوت اصلًا گوجر ہیں اور ایک مخلوط نسل ہے ڈراویدین، سیلتھین، اور وطنی عناصر کی اور بنگالی بڑی حد تک منگول نسل کے ہیں جو آریں خون ابتداء ہندوستان میں آیا تھا وہ اب سے صدیوں قبل ان بے شمار حملہ آور جماعتوں میں مل کر جذب ہو گیا جو بعد میں آئی تھیں،

آریں لوگ اس متمدن دنیا میں دیر میں پہنچے جو عہدِ مہدنیات میں بحرِ روم کے ساحلوں سے لیکر دریائے نیل، دجلہ و فرات اور دریائے سندھ کے کناروں تک پھیلی ہوئی تھی، آریں زبان بولنے والی قومیں خاندان بدوش اور قدیم قومیں تھیں، وہ اپنی جانشین گاتھ اور ہن قوموں کی طرح جو تیسری اور چوتھی صدی عیسوی میں نمودار ہوئے جلد اپنے مقابل کی پریش اور رو بہ تنزل تہذیب پر غالب آگئے، لیکن بالآخر انھوں نے خود ہی قیام اختیار کر لیا، اپنی جان گشتی کی عادت چھوڑ بیٹھے، مقامی قوموں سے ازدواجی تعلقات قائم کر لئے، اور جن لوگوں کو شکست دی تھی انھیں کی تہذیب اختیار کر لی، تقریباً ہر بار ایسا ہی ہوا، وادی سندھ میں خونخوار آریں حملہ آوروں نے موجودہ دور ہر ایک کے صلح پسند است، اور دستکار باشندوں کو مسلسل روایوں کے بعد جنگی آواز باز گشت وید کے گیتوں میں اب تک محفوظ ہے نکال باہر کیا، یونان میں یونانی (HELLENES) خالص یونانی نسل کے لوگ) نے یونانی بارش

(Minoan Mycenae) تہذیب کو شکست دینے کے بعد اسے خود ہی اختیار کر لیا، اٹلی میں اٹلی کا لیم نے بھی وہاں کے قدیم باشندوں ایٹرکس (Etruscans) کے ساتھ ہی کیا، یونان کی شانِ شوکت اور روم کی عظمت سامی بنیادوں پر قائم کی گئی تھی، بحرِ روم کی بڑی بڑی سامی سلطنتیں اس وقت بھی مدیون سے قائم چلی آرہی تھیں جب کہ آریں قومیں ہنوز حالتِ وحشت میں تھیں اور بحرِ بانک کے ساحلوں پر کوریاں چنا کرتی تھیں،

دنیا کے تین بڑے مذاہب یہودیت، عیسائیت اور اسلام سامی الاصل ہیں، موجودہ دارو کے اکتفا سے یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ سامی عنصر کہیں ہندو مذہب کا بھی اہم ترین جزو تو نہیں ہے، شیوہما دیو ہندو بت کہ ہر بے بڑا خدا ہے، مدت سے یہ رائے قائم ہے کہ شیوہما دیو اور وید کے خدا وندرا کے ایک ہی شخصیت ہونے کا نظریہ قابلِ اطمینان نہیں ہے، یہ بات بھی قابلِ لحاظ ہے کہ اس کی پرستش خاص طور پر اسی حصہ ہند میں کثرت سے ہوتی ہے جہاں قوم ڈراوڈ کی آبادی ہے، شیوہما دیو ہی کی جانب "یوگ" یعنی راہبانہ مذہبی عبادات منسوب کی جاتی ہیں، اس راز کا انکشاف وادی سندھ کی ہرون سے ہوتا ہے، جہر ایک تین سر اور سینگ والے خدا کی تصویر بنی ہوئی ہے، اس کی نشست "یوگ" کے ایک آسن کی ہے اور اس کے ارد گرد درندوں کی تصویریں ہیں، یہاں اہمات طور پر شیو، "ہما یوگی" درندوں کے خدا کی اصلیت کا پتہ لگا سکتے ہیں، بھارت اور ساچی کے آثار قدیمہ کی طرح وادی سندھ کی ہرون سے "مادر عظمیٰ"، "مقدس سانپ"، "مقدس درخت" کی پرستش، "لنگم"، "یونی" اور قدیم ہندو مذہب کے بہتر سے ماقبل حالات کا پتہ بھی لگایا جاسکتا ہے،

سب سے آخر یہ کہ ہندوون نے فن تحریر وادی سندھ کے لوگوں سے حاصل کیا، پروفیسر لینگڈن (AN) (GDON) نے قطعی طور پر ثابت کر دیا ہے کہ برہمی رسم خط وادی سندھ کے با تصویر حروف سے ماخوذ ہے، اس شہ نہیں کہ آئندہ اثری اکتشافات سے اس رائے کی تصدیق ہو جائیگی کہ ہندو مذہب اور ہندو آرٹ اور کلچر بھی ہندوون کی طرح اپنی اصل میں زیادہ تر غیر آریں ہیں، اس آریں افسانہ کو بھی اُن بہتر سے روشدہ نظریات کے

پہلو میں جگہ ملنی چاہئے جسکے بوسیدہ اوراق موصخ کی الماریوں کا بار تھے۔

کیا سائنس بے روزگاری بڑھ رہی ہے؟

سات سال ہوئے بشپ آرتھر بروز (Arthur Burgess) نے ایک جماعت کے سامنے جس کے بیشتر افراد برطانیہ کی انجمن ترقی سائنس کے رکن تھے اس خیال کا اظہار کیا تھا کہ تحقیق و ایجاد میں جس تیز رفتاری کے ساتھ ترقی ہو رہی ہے اس سے پوری طور پر فائدہ اٹھانا موجودہ حالت میں انسان کی طاقت سے باہر ہے اور یہ تجویز پیش کی تھی کہ دس سال کے لئے سائنٹفک تحقیق و تفتیش ملتوی کر دجائے، ۱۹۲۷ء میں اس تجویز پر محض تین توجہ لگئی، لیکن ۱۹۳۲ء میں جب امریکہ نیز بیرونی ممالک میں لاکھوں آدمیوں نے زمانہ کی اتبری اور پریشان حالی پر سنجیدگی کے ساتھ غور کرنا شروع کیا تو اہل قلم کی اس جماعت نے جو عوام میں مقبول تھی بشپ بروز کی تجویز کو غلط اور اقتصادی مشکلات کی ذمہ داری سائنس کے سرعائد کرنا شروع کر دی،

سائنس کے خلاف جو دلیل پیش کی جاتی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس سے مشین کی صنعت و حرفت کو ترقی ہو رہی ہے، لیکن افراد کی بے روزگاری بڑھتی جاتی ہے، امریکہ کے بعض ممتاز سائنس دانوں نے حال میں اس رائے کی صحت و عدم صحت پر غور کرنا اور اس بے متعلق واقعات کا مطالعہ کرنا شروع کیا ہے، چنانچہ ڈاکٹر کوپٹن (Dr. Cooper) بیان کرتے ہیں کہ یہ خیال کہ سائنس سے بے روزگاری بڑھتی ہے، زیادہ ہماری اقتصادی یا عمرانی مشکلات کی جڑ ہے، خلاف واقعہ ہے، لاعلمی یا غلط فہمی پر مبنی ہے، اور اپنے امکانی اجتماعی نتائج کے رو سے مفرت رسان ہے۔ ڈاکٹر کوپٹن کو اعتراف ہے کہ مشین کی صنعت و حرفت کی ترقی کے باعث دستکار اکثر بے روزگار ہو گئے ہیں، لیکن انھوں نے دکھایا ہے کہ سائنٹفک تفتیش و تحقیق کا نتیجہ بالآخر یہ ہوا کہ نئی نئی صنعتوں اور حرفتوں کے کھل جانے سے روزگار کے مواقع بہت زیادہ ہو گئے ہیں ان صنعتوں اور حرفتوں کی وجہ سے نہ صرف کام کرنے کی نئی جگہیں کثرت سے پیدا ہو گئی ہیں، بلکہ چیزوں کی پیداوار بھی بڑھ گئی ہے۔

بڑھ کر کرنے کے گھنٹوں میں پہلے کی نسبت تخفیف ہو گئی ہے،

ڈاکٹر کوپٹن کا خیال ہے کہ اس وقت سائنس کو کم کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ اسے ترقی دینے کی ضرورت ہے، ان کی رائے میں روزگار کو بڑھانے کی سب سے زیادہ اہم تدبیر اس وقت یہ ہے کہ کام کرنے کے گھنٹوں میں تخفیف کر دی جائے، مشینوں کی وجہ سے آج ایک آدمی چند گھنٹوں میں اتنا کام کر سکتا ہے جتنا اس کے ابا و اجداد کو روزگار کی سخت محنت کے بعد پورا کر سکتے تھے،

۱۹۱۰ء میں امریکہ میں گاڑیوں کی صنعت کے سلسلہ میں کاریگر، کوچمان، اور لوہار وغیرہ کی حیثیت سے دس لاکھ سے کم آدمی کام کرتے تھے لیکن ۱۹۳۲ء میں موٹروں کی صنعت کے سلسلہ میں جو متعدد سائنٹفک انکشافات کی مدد سے تیار لگائی ہیں، (۲۴۰۹۳۹۴) آدمی کام کرتے تھے، ان اعداد سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ موٹروں کی ایجاد سے گھوڑے گاڑیوں اور ساز وغیرہ کے بنانے والوں کی تعداد کم ہو گئی ہے، تاہم بحیثیت مجموعی کام کرنے والوں کی تعداد میں (۲۵) فی صدی کا اضافہ ہو گیا ہے،

اس سے زیادہ اہم وہ جدید صنعتیں ہیں جو سائنٹفک انکشافات کی بنا پر گذشتہ پچاس سالوں میں قائم ہو گئی ہیں، ۱۹۰۳ء میں ہوائی جہاز محض ایک کھلونا تھا، لیکن آج یہ پچاس ہزار یا اس سے زیادہ آدمیوں کی روزی کا وسیلہ ہے،

سوبرس سے کچھ ہی زائد ہوئے جب مائیکل فیراڈے (Michael Faraday) نے قوت مقناطیسی اور برق کا درمیانی تعلق دریافت کر کے ان صنعتوں کی بنیاد رکھی تھی جو بجلی سے تعلق رکھتی ہیں، یہ تمام صنعتیں گذشتہ پچاس سالوں میں ترقی پانچویں ہیں، اور اب ان میں دس لاکھ سے زیادہ آدمی کام کرتے ہیں، سینما کی صنعت کے سلسلہ میں اس وقت دو لاکھ نوے ہزار آدمیوں کو روزگار حاصل ہے، ۱۹۱۰ء میں جب سینما میں زیادہ ترقی نہیں ہوئی تھی، تھیٹر کے سلسلہ میں کام کرنے والوں کی تعداد ایک لاکھ سے کم ہی تھی، نیویارک کے "عجائب خانہ سائنس و صنعت" (Museum of Science and Industry)

نے حسب ذیل اعداد و شمار اکٹھا کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ ان صنعتوں کی وجہ سے جو سائنسک انکشافات اور تحقیقات پر قائم کی گئی ہیں کام کرنے والوں کی تعداد میں بہت کچھ اضافہ ہو گیا ہے۔ یہ اعداد و شمار صرف چند صنعتوں کے متعلق ہیں اور صرف امریکہ تک محدود ہیں:-

صنعت	کام کرنے والوں کی تعداد
موٹر	۲۴۰۹۳۹۴
برقی صنعتیں	۱۰۳۴۶۳۷
ٹیلیفون	۳۵۷۰۸۵
سینما	۲۹۰۰۰۰
دھاتی جہاز	۲۱۷۴۳۱
ریڈیو	۹۴۰۰۰
مشین کے پرزے	۸۷۲۷۱
کھانے کی چیزیں ٹھنڈی رکھنے کی برقی مشین	۷۲۲۶۱
ہوائی جہاز	۵۰۰۰۰

ان کے علاوہ اور بہت سی صنعتیں ہیں جنہیں لاکھوں آدمی کام کر رہے ہیں، صرف ایک شخص ٹامس ایڈیسن (THOMAS EDISON) کے انکشافات و ایجادات کی وجہ سے جتنے آدمیوں کی روزی کا سامان قائم ہو گیا ہے ان کی صحیح تعداد بھی میوزیم مذکورہ کو معلوم نہ ہو سکی، اس کی صرف چند ایجادوں مثلاً برقی قلم، فونو گرام، متحرک تصویریں، ٹیلیفون، اور مائکروفون (وہ آلہ جس سے لمبی آوازیں تیز سنائی دیتی ہیں) کی وجہ سے جو صنعتیں قائم ہو گئی ہیں ان میں لاکھوں آدمی کام کر رہے ہیں،

(لٹریچر ڈائجسٹ) "عز"

مغربی تہذیب ایک مغربی کی نظر سے

ذیل میں سنڈے اسٹیشن (۱۵ اپریل ۱۹۳۷ء) کے ایک مقالہ کا اقتباس درج ہے جو ایک انگریز مشر فیورسٹ (PETER FORREST) کے غور و فکر کا نتیجہ ہے، جن حقیقتوں کی جانب اس مغربی مقالہ نگار نے توجہ دلائی ہے ان کی نسبت مشرق کے اکثر اہل فکر بار بار اظہار خیال کر چکے ہیں لیکن ہمارے ملک کی "روشن خیالی" تعلیم یافتہ جماعت کے لئے کوئی مسئلہ اس وقت تک لائق توجہ نہیں ہوتا جب تک اسے مغرب کی تائید حاصل نہ ہو، ذیل کا اقتباس خاص طور پر اسی جماعت کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے:-

"حیرت کی بات ہے کہ ماضی کے سبق کے باوجود وہ مجنونانہ دہر جو ذاتی دولت کو کامیابی کا سب سے بڑا معیار سمجھ رہی ہے، بدستور جاری ہے، ایک روز مورخین ہمارے عہد کا مطالعہ کرینگے اور ان باتوں کو واضح طور پر دیکھیں گے جو آج ہماری نگاہوں سے پوشیدہ ہیں، وہ کہیں گے کہ ان لوگوں نے سائنس اور ایجاد کو اپنی روزمرہ زندگی میں استعمال کیا، تاہم زندگی کو حقیقتاً رہنے کے قابل نہ بنا سکے، انہیں اعلیٰ فہم اور تعلیم کے ترقی یافتہ طریقے حاصل تھے، پھر بھی بحیثیت مجموعی انہوں نے زندگی کی کامیابی کے نصب العینوں کو پست ہی رکھا، اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ایک حیرت انگیز ہندوادی تہذیب کے ساتھ ان پست نصب العینوں کی آویزش ہی بنیادی سبب تھی اکثر قومی جنگوں اور ملی لڑائیوں، بھینچنی، مصیبت، انگشک اور امن و مسرت کے عدم استقلال کا جو اس نرالے عہد کی خصوصیات تھیں، ہم اپنی تہذیب کی ترقی کے ایک نازک درجہ پر پہنچ گئے ہیں، یہ امر کہ ہم آگے اور اوپر جائینگے یا پیچھے اور نیچے کی طرف واپس آئیں گے اس پر منحصر ہے کہ زمانہ موجودہ کا بچہ کیا بنتا ہے، بڑا ہو کر وہ جو کچھ کرے گا وہی اہمیت رکھتا ہے، لیکن اس سے بھی زیادہ اہمیت اس کے مطمح نظر کی ہوگی، اگر ہم دانشمند ہیں تو ہمیں دیکھنا چاہیے کہ وہ جو آج ایک بچہ ہے اور کل ملک کا ایک فرد ہونے والا ہے زندگی کے غلط معیاروں سے گمراہ نہ ہونے پاوے، تمام والدین اور اساتذہ کو جو نہ صرف کل آنے والے افراد بلکہ قوم سے متعلق بھی اپنی ذمہ داری محسوس کرتے ہیں،

چاہئے کہ استقلال کے ساتھ بچوں کے ذہن میں اشیاء کے قدر و افادہ کا ایک صحیح تر احساس پیدا کرتے رہیں۔ نسبت
ان صاحب اقتدار جماعتوں کے احساس کے جنہوں نے گزشتہ جنگ کو لادیا یا بیاہ نسبت اس نسل کے
احساس کے جو زمانہ جنگ کے بعد رونما ہوئی اور جس کا عقیدہ یہ ہے کہ دولت طاقت ہے اور انہی دونوں کا
اجتماع زندگی کا سب سے بڑا انعام ہے،

ترقی یافتہ تعلیم اور وہ تمام معاشرتی و اجتماعی اصلاحیں جن کے لیے ہم اس قدر مصارف برداشت کر رہے
ہیں، یہ سب اندر سے بوسیدہ اور فاسد ہونے کے باعث کچھ بھی مفید ثابت نہ ہوں گی جب تک کہ زمانہ موجودہ
کے بچوں کو سب سے بڑے سبق کی تعلیم نہ دی جائے اور انہیں ان غلط معیاروں سے نفرت نہ دلادی جائے جو قدیم
روایات میں سے اکثر میں داخل ہیں،

جنگ کے بعد کا دور اپنی عدم مثال حرص دولت اور حرص تعیش کے لئے نمایاں ہے، یہ ایک امر
واقعہ ہے کہ تمام طبقے نفس پرستی کے جذبہ سے مغلوب ہیں، ہر سال عیش و عشرت کے تمام اقسام پر اخراجات بڑھتے
ہی جاتے ہیں، قوم میں روٹی گوشت کے مصارف کی نسبت شراب کے مصارف بہت زیادہ ہیں، آپ ایسے
بے شمار نوجوان مردوں اور عورتوں کو دیکھیں گے جن کی زندگی کا خاص مقصد عیش و تفریح ہے، وہ دوسروں کو
نقصان پہنچا کر بھی اسے حاصل کرنا چاہتے ہیں،

یہ لوگ زیادہ اہمیت نہیں رکھتے، لیکن جو بچے کہ آئندہ بیس سال کے اندر بڑھ کر جوان ہوں گے
اصلی اور حقیقی اہمیت ان کی ہے، اور اسے ایک انفرادی اور قومی فرض سمجھنا چاہئے کہ انہیں مروجہ نمونوں
اور نمونوں سے آلودہ و گمراہ نہ ہونے دیا جائے،

”ع ز“

سیدنا عبد العزیز

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے سوانح حیات اور ان کے مجددانہ کارنامے طبع دوم ضخامت ۱۵۰ صفحہ قیمت :- ۵۰ روپے

اخبار علیہ

اعتراف و اصلاح

رسالہ لٹریچر ڈائجسٹ کے ایک نامہ نگار کا بیان ہے کہ امریکہ کے کیتھولک پروٹسٹنٹ اور یہودی فرقوں
نے تمام غیر مذہب لٹریچر اور فحش سینما اور تھیٹر وغیرہ کے خلاف ایک سخت جماد شروع کر دیا ہے، اس قسم کی تحریکیں اس سے
قبل بھی جاری کی گئی تھیں لیکن فحش کی رفتار میں کوئی تخفیف نہیں ہوئی، اب وہاں کے کلیساؤں اور مذہبی پیشواؤں
نے اس چیز کو ختم کر دینے کا مصمم قصد کر لیا ہے، چنانچہ ملک کے تمام کیتھولک پارٹیوں سے جنگی تعداد تیس ہزار ہے کیا
ہے کہ وہ اپنے اثر سے کام لیکر لوگوں کو فحش سینما وغیرہ کی اصلاح پر آمادہ کریں، کیتھولک ہائی اسکولوں اور کالجوں کی
مذہبی انجمنوں کو اس تحریک کی مدد کے لئے متعین کیا گیا ہے، اسی طرح تمام کیتھولک ہفتہ وار اور ماہوار رسالوں کو
جنگی ناظرین کی تعداد دو کروڑ سے زیادہ ہے، اس کے لئے آمادہ کیا گیا ہے، والدین کو ہدایت کی گئی ہے کہ اپنے بچوں
کو سینما بھیجے نہیں، اب زیادہ احتیاط سے کام لیں، ایک روز تمام کیتھولک ہفتہ وار رسالوں نے جنگی مجموعی شمار اشاعت
سرا لاکھ ہے، متحد ہو کر مروج سینما کی فحش نمائی پر حملہ کیا، اور شپ کانٹ دل (Caricature) کے ایک
پروڈر نمونوں کے اقتباسات درج کئے جس میں موصوف نے لکھا ہے کہ اگر ہم چاہتے ہیں کہ امریکہ کے نوجوانوں کو ایک
ایسی گندگی اور فحش کاری سے بچائیں جس کی مثال سے امریکہ اس وقت تک نا آشنا تھا تو ضرورت ہے کہ اس کے لئے

علمی انسان پیانہ پر کوئی اصلاحی تدبیر اختیار کی جائے، اس کیتھولک تحریک کیساتھ یہودی اور پروٹسٹنٹ کلیساؤں
نے بھی مروجہ فحش لٹریچر پر جو اس وقت کثرت سے شائع ہو رہا ہے، شدت کے ساتھ لعنت ملامت کی ہے اور لکھا

کے متحدہ یہودی کلیسا کی مجلس عاملہ نے بر اتفاق اُردار یہ تجویز منظور کر لی ہے کہ اس تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے نہایت زور دار اور مؤثر تدبیریں اختیار کی جائیں، چنانچہ ربیوں نے اعلان کیا ہے کہ وہ اپنے خطبوں میں تمام فحش لٹریچر اور غریب اخلاق سینما اور تھیٹر وغیرہ کی پر جوش مخالفت کریں گے، امریکہ کے مختلف پرنسٹنٹ کلیساؤں میں بھی معاملہ کی اہمیت کے باعث بالاتفاق طے پا چکا ہے کہ پرنسٹنٹ بکیتو لک اور یہودی فرقوں کے ارکان کی ایک متحدہ کمیٹی قائم کی جائے، جو نیویارک کے پولیس کمشنر کی توجہ اس خطرناک صورت حال کی جانب مبذول کرے جو فحش لٹریچر اور سینما وغیرہ کی اشاعت نے پیدا کر دی ہے، کیا ہندوستان کے مقلدین فرنگ، امریکہ کی اس املاکی تحریک کی بھی تقلید کریں گے،

اسیریا کی قدیم تاریخ

ماہرین آثار قدیمہ کی اُن تھک کوششوں سے اسیریا کی قدیم تاریخ جو تقریباً تین ہزار سال سے زمین میں دفن تھی اب کھود کر نکالی جا رہی ہے، اس سلسلہ میں جو آثار قدیمہ دریافت ہوئے ہیں، اُن میں سے ایک نہایت اہم اکتشاف کے متعلق سنکا گویونیورسٹی کے ڈاکٹر بریڈ (Dr. Breasted) نے اطلاع دی ہے، یہ میٹھی کی ایک تختی ہے جو ایک ہاتھ سے کچھ ہی بڑی ہے اور اس کے دونوں طرف مخصوص اسیرین خط میں بہت قریب قریب عبارت لکھی ہوئی ہے، اس عبارت میں اسیریا کے پچانوے بادشاہوں کے نام ترتیب دار درج ہیں جو عسور نیرا سی فامس (Assur - Nira - Si - Fams) ۵۲۰۰ تا ۵۱۰۰ قبل مسیح کے زمانہ سے ۲۰۰۰ قبل مسیح تک اہل اسیریا پر فرمانروائی کرتے تھے، یہ تختی موجودہ شہر موصل سے تقریباً پندرہ میل کے فاصلہ پر ایک مقام پر پائی گئی ہے جو قدیم نینوا کے مقابل دریا کے دجلہ کے بالائی حصہ پر واقع ہے، اس کی غیر معمولی اہمیت کا اندازہ اس امر سے ہوتا ہے کہ اس سے پہلے علماء آثار قدیمہ کو متسلحہ ق۔م سے قبل کے صرف تین یا چار بادشاہوں کے نام معلوم تھے، اس نو دریافت تختی سے معلوم ہوتا ہے کہ اشپیا (Aspia) ۱۰۰۰ تا ۱۱۰۰ جو

تین چار بادشاہوں میں سب سے پہلا بادشاہ سمجھا جاتا تھا، واقعہ اس خاندان کا سب سے آخری بادشاہ ہے جس کے پہلے نو فرما زوا کیے بعد دیگرے تخت نشین ہو چکے تھے، اس پر ہر بادشاہ کی مدت حکومت درج ہے جس سے اسیریا کی تاریخ کا یہ باب مکمل طور پر معلوم ہو جاتا ہے، یہ تختی شاہ سارگن ثانی (Sargon II) کے تختی سے نکالی گئی ہے، جس کے کندہ اس مقام پر واقع ہیں جو آج خورس آباد کہا جاتا ہے، اس مقام میں کھودائی کا کام جاری ہے، سارگن ثانی کا زمانہ حکومت آٹھویں صدی قبل مسیح کا نصف آخر ہے، سارگن کی وفات کے بعد خورس آباد کا قیام ترک کر دیا گیا اور خیال یہ ہے کہ اس کے ٹکے نے وہ تختیٰ فیذا کو منتقل کر دیا جو پندرہ میل شمال کی جانب واقع تھا، یہ تختی اب حکومت عراق کی ملک ہے لیکن اس نے سنکا گویونیورسٹی کے اورنیل انسٹیٹیوٹ کو حکی کوششوں سے یہ حاصل ہوئی ہے اجازت دیدی ہے کہ وہ اسکی مکمل نقل کر کے مورخین کے فائدہ کے لئے اسکا ترجمہ بنا کر لے،

پانی کو گیس گرم کرنے کا نئے طریقہ

حال میں امریکن گیس ایسوسی ایشن کو اطلاع ملی ہے کہ بعض سائنس دانوں نے ایک ایسا طریقہ دریافت کر لیا ہے جس سے رقیق اشیاء بڑے بڑے حوضوں میں بغیر آگ کی مدد کے گرم کیا جاسکتی ہیں، اس طریقہ کے مطابق گیس کی مشعلیں پانی یا کسی دوسری رقیق شے میں داخل کر کے جلا دی جاتی ہیں، جن سے ایک تیز شعلہ نکلنے لگتا ہے، یہ پانی جلد کھول جاتا ہے، اس تدبیر سے لکڑی کے حوضوں میں بھی پانی اسی آسانی کے ساتھ گرم کیا جاسکتا ہے، جس آسانی کے ساتھ لوہے کے حوضوں میں ترشہ (Acid) اور دوسری کیمیائی چیزیں بھی اس طریقہ سے گرم کی جاسکتی ہیں،

جوہر فرد کے عناصر

حال تک جوہر فرد (Matter) ایک مفرد شے خیال کیا جاتا تھا، لیکن جدید تحقیق نے یہ ثابت

کر دیا ہے کہ یہ ایک مرکب شے ہے اور اس وقت تک اس کے چار عناصر دریافت ہو چکے ہیں، یعنی الیکٹرون (Electron) پروٹون (Proton) پوزیٹرون (Positron) اور نیوٹرون (Neutron) لیکن ڈاکٹر لانجر (R. m. Langer) جو کیلیفورنیا انسٹیٹیوٹ آف ٹکنالوجی (امریکہ) کے ماہر طبیعیات ہیں، یقین رکھتے ہیں کہ جو ہر فرد کا ایک عنصر اور بھی ہے جو عنقریب دریافت ہوگا۔

برق کی رفتار

جنوبی افریقہ کے سائنس دانوں کی ایک جماعت نے تحقیق کی ہے، کہ بجلی کی رفتار (۱۴۹۰۰۰) میل سے لیکر (۶۸۴۰۰۰) میل فی سکند ہے اور اسکی اوسط رفتار (۲۸۵۰۰) میل فی سکند ہے، اس حساب سے اسکی اوسط رفتار روشنی کی رفتار کا (۱۵) فی صدی ہے،

دو نئے سیارے

سائنس سے لیکر اس وقت تک ایک ہزار سے زائد بہت چھوٹے چھوٹے سیارے دریافت ہو چکے ہیں جو مریخ اور مشتری کے درمیان اپنے اپنے دائروں میں چکر کرتے رہتے ہیں، حال میں ان چھوٹے چھوٹے سیاروں کی فہرست میں دو سیاروں کا اضافہ اور ہوا جو ابھر کر کے رصد خانہ میں دریافت کئے گئے ہیں،

ایک حیرت انگیز انکشاف

قطب شمالی اپنی انتہائی برودت کے لیے مشہور ہے، لیکن ڈاکٹر ہنسن (انگلستان) نے حال میں تحقیق کی ہے کہ اس بار ذیل اوپر کی فضا خط استوا سے بارہ میل اوپر کی فضا سے جو اپنی حرارت کے لئے اسی قدر مشہور ہے (۲۵) درجہ زیادہ گرم ہے، قطب شمالی کے اوپر کی اس حیرت انگیز حرارت کا سبب ابھی دریافت نہیں ہو سکا ہے،

”عز“

احسان بیک

عمل امانت

از حکیم الشعر اسید احمد حسین انجمن، حیدرآباد دی

اِنَّا عَرَضْنَا الْاٰمَانَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَسْفَلْنَ سِنِيهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَعُوْلًا (احزاب)

تو ہے مجھے بزم میں بلا نے والا،
میں ہوں تری بارگاہ میں آنے والا،
ظالم ہوں، جہول ہوں، سیہ کار ہوں میں
کس منہ سے کہوں ترا طلبگار ہوں میں
میں کیا ہوں؟ جبال و آسمان کے آگے
کیا گرد کا ذکر، کاروان کے آگے
ہوں بحر عظیم میں، مثال خاشاک
اک قطرہ ہے میری ہستی ادھ بھی ناپاک



اے لو، وہ عرضنا کی صدا گونج اٹھی،
اُنّا کے جلال سے، فضا گونج اٹھی،
سب ہٹ گئے در کے، پیچھے، آنے والے
کتر گئے صفات، ہمارا اٹھانے والے
سب لرزہ بر اندام نظر آتے ہیں
کتے ہوئے سارے احمذہ آتے ہیں
جو سر بفلک تھے، اُن کا اترا چہرا
دیکھیں رہتا ہے کس کے سر پہ سہرا

”سلف“ ہم نے اپنی امانت آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کی، سب کے سب نے اس کے بار اٹھانے سے انکار کیا، اور اسے ڈر گئے اور انسان نے اس کو اٹھالیا، بے شہدہ وہ ظالم اور نادان ہے،

سب صاحب عقل و ہوش بیہوش ہیں آج
سب بولنے والے کیسے خاموش ہیں آج
اٹھی نہیں جب کہیں سے کوئی آواز
جب کوئی ہوا نہ اس صدا کا دھماکا

— ۰ ۰ ۰ —

میری غیرت میں ایک طوفان اٹھا
یعنی لبیک کہہ کے انسان اٹھا
لینے کو عطیتہ دست محتاج اٹھا
فی حسن تقدیم کا حسن آج بڑھا
سر دیر یا میں نے آبرو کی خاطر
ٹھکرا دیا میں نے میں کو تو کی خاطر

بہوت ہے خلق میں کے قصہ میرا

ہے عہدیت تمام حصہ میرا

رباعی

اس سینہ میں کائنات رکھ لی میں نے
کیا ذکر صفات، ذات رکھ لی میں نے
ظالم سہی، جاہل سہی، نادان سہی
سب کچھ سہی، تیری بات رکھ لی میں نے

پیغام بہار

از جناب محمد اکبر منیر پروفیسر ایمرسن کالج ملتان

لیکے پیام کارزار آئی ہے فصلِ نو بہار
آتش و خون کی فوج کے ڈیرے ہیں لالہ زار
شور ہے سیلِ کوہِ میں نعرہ کارزار کا
یتیم کی ہیں روانیاں موجبِ جو بہار میں
خبر آفتاب نے قیدیوں کو نجات دی
بلکے سرودِ حریت گاتے ہیں کوہسار میں
جشن ہے کوہِ دشت میں لشکرِ انقلاب کا
عیش و طرب کے راگ ہیں بربطِ آبتار میں
حسنِ بہشت جاودان کرتا ہے جلوہ ریزیاں
وادیِ دُکوہسار میں گلشن و مرغزار میں

تابشِ حسن جان نوازا آتشِ عشق جان گزار
آگے ملے ہیں پیار سے گلگدہ بہار میں

موسمِ نو بہار کا سنتا ہے کیا پیام تو؟
یتیم بکفِ شریک ہو عرصہ کارزار میں
پھونک دے کشتِ بندگی آتشِ انقلاب
دیکھ بہشتِ زندگی خنجرِ آبِ دار میں
بن کے خرامِ زندگی لیکے پیامِ زندگی
سیل کی طرح ہو روان وادیِ گیر و دار میں
حن کے آفتاب سے پھلتا ہے نخلِ آرزو
عشق ہو جلوہ ریز اگر سینہ پر شرار میں

عشقِ شرفشان سے تو آگ لگا دے چار سو،

دور ہو پھر بہار کا اجر ہے ہوئے دیار میں

قطعہ تاریخِ وفات

مولوی غلام محمد صاحب شملوی سفیر ندوۃ العلماء خفہ
از جناب نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن خان شروانی اقلین محترم

سفیرِ مکرم غلام محمد،
زوارِ اہل حیف آمدِ پیامش
سراپا عمل بود و سعی مجسم،
با حیاے دلہا مسلم کلامش
چو قربانِ دین کرد جانِ گرامی
زا اسلامیان بادِ دائم سلامش
جگر خستہ حسرت یک از مخلصان
پیر سیدہ از سالِ حسنِ ختامش

بغیر مود ہاقت بر آورد آہے

بجائے فردوسِ اعلیٰ قیامش

۱۳۶۸ - ۱۴

۱۳۵۲

بالتقریب والانتقا

جواہر سخن

مرتبہ مولوی محمد حسین صاحب کفنی جریا کوٹی، شائع کردہ ہندوستانی اکادمی الہ آباد، ضخامت ۱۵ صفحے،

مطبوعہ ٹائپ، قیمت درج نہیں،

اردو شاعری زیادہ تر تفریح و انبساط کا ذریعہ رہی ہے اس لئے ادبی اور تاریخی حیثیت سے اس کی بہت کم خدمت کی گئی ہے، شعر کے ہزاروں دیوان شائع ہوئے، مشہور اساتذہ کے کلام کے متعدد انتخابات کئے گئے، لیکن اس میں زیادہ تر ذاتی ذوق سے کام لیا گیا، اسلئے جن شعراء کے کلام اس معیار پر ٹھیک نہیں اترے وہ نہ چنے والے اس کے کی طرح ہماری ادبی نگسال سے خارج کر دیئے گئے،

وکی کے سوا شعراء دکن کا کلام تو ہمیشہ نگسال کے باہر رہا، اس کے بعد قدما کا دور شروع ہوا تو ان میں سے بھی چند مخصوص اساتذہ چن لئے گئے، بقیہ شعراء کس پرسی کی حالت میں رہے، پھر دلی اور لکھنؤ کے دونوں اسکول قائم ہوئے، تو ان میں بھی ایک کے پسند کرنے والے دوسرے اسکول سے بے اعتنائی کرتے رہے، اور اب تو شعراء دور جدید نے اس دفتر بے پایاں پر سرے سے پانی پھیر دیا، اور تمیز اور غالب کے سوا اس زمانے میں اور کسی صاحب طرز استاد کا نام زندہ نہیں ہے جس کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ اس وقت اردو شاعری کی تاریخی زندگی ہماری نگاہوں سے اوجھل ہے، اور وہ کوئی مستقل حیثیت نہیں رکھتی،

اردو شاعری کی اس تاریخی اور ادبی کمی کا احساس سب سے پہلے ہمارے صوبے کے علمی مرکز ہندوستانی اکادمی

نے کیا اور اردو شعراء کے کلام کے ایک نہایت جامع و مکمل انتخاب کی خدمت مولوی حسین صاحب کفنی جریا کوٹی نے متعلق کی جنہوں نے ۱۰ جلدوں میں اردو کے ہر دور کے شعراء کے کلام کا انتخاب کیا، چونکہ آج تک اشعار کا انتخاب کسی تاریخی اور علمی اصول کے مطابق نہیں ہوا تھا، بلکہ اس میں زیادہ تر ذاتی رجحان سے کام لیا جاتا تھا، اسلئے اکادمی نے اس روش میں تبدیلی پیدا کرنے کیلئے اس انتخاب پر نظر ثانی کرنے کے لئے منتخب اصحاب کی ایک کمیٹی مقرر کی تاکہ یہ انتخاب ہر ذوق کے مطابق علمی و تاریخی اصول کے مطابق مرتب ہو، اب اس انتخاب کی پہلی جلد جواہر سخن کے نام سے شائع ہو کر ہمارے سامنے آئی ہے، یہ انتخاب صرف دو اول کے شعراء تک محدود ہے، لیکن اسکے دوسرے کردیئے گئے ہیں، پہلا حصہ شعراء دکن و اورنگ آباد کے ساتھ مخصوص ہے اور دوسرے حصہ میں شعراء دہلی کے کلام کا انتخاب کیا گیا ہے، اس جلد پر یونیورسٹی لیبیریری نے ضروری نے نظر ثانی اور ڈاکٹر عبدالحق صاحب صدیقی نے حصہ اول کے دکنی اشعار کی تصحیح کی ہے، انتخاب سے پہلے ڈاکٹر تارا چند صاحب سکریٹری اکادمی کا ایک مختصر سا تارن ہے، جس میں اس انتخاب کی ضرورت اور خصوصیات کا ذکر ہے، اسکے بعد ہمیں مختصر کیا ساتھ اردو زبان کی تاریخ بیان کی گئی ہے، پھر اس دور کی شاعرانہ خصوصیات کے بعد انتخاب شروع ہوا ہے،

اس دور کے متعلق معلومات بہت کم ہیں، صرف تذکروں میں ایک ادب شعر مل جاتا ہے، مولف کو اپنی اس محنت کی وہ فنی چاہئے کہ انہوں نے پرانے تذکروں سے یا آج کل جو جدید تحقیقات کی گئی ہیں، ان سے فائدہ اٹھا کر پرانے معلومات کو یکجا کیا ہے، یہ کتاب نہ تو تنہا انتخاب ہے اور نہ تذکرہ ہے، بلکہ ایک ایسی کتاب ہے جو کہ اصل مقصد تو ہر دور کے شعراء کے بہترین کلام کا انتخاب ہے، مگر ساتھ ہی ہر شاعر کا مختصر حال جس سے زمانہ کی تعیین ہو سکے لکھا گیا ہے، کل چھپاسی شعراء کے حالات اور کلام کا اقتباس و انتخاب اس میں کیا گیا ہے، کتاب دو حصوں میں منقسم ہے، انتخاب کا مقصد چونکہ تفریح و انبساط اور ذاتی ذوق کے اظہار سے بلند رکھا گیا ہے، اسلئے اشعار بہت بلند نہیں ہیں، کہ یہی اس عہد کی کائنات ہے، البتہ یہ انتخاب تاریخی حیثیت سے نہایت مفید ہے، جس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ابتدائیں اردو شاعری کا کیا حال تھا، کون کون سے اصناف سخن مرتب تھے، بعد کو کس صنف میں ترقی ہوئی، اور کس صنف کو زوال آیا، لیکن ہم کو اس حیثیت سے بھی ابھی مایوس نہیں ہونا چاہئے، یہ انتخاب دو اول کے شعراء کا ہے جو سادہ گوشتے، اسلئے قدرتی طور پر ان کے کلام میں ہمارے ذوق کے مطابق بلند اشعار کم مل سکتے ہیں، بعد کو نگین طبع شعراء کے کلام کا انتخاب آگیا تو کئی پوری ہو جائیگا،

مکتبہ کا جدید

غالب، مترجمہ جناب سید عین الدین صاحب قریشی ایم اے، مطبوعہ لاہور پورٹ پریس، جام باغ،
حیدر آباد دکن، جلد ۴۲، صفحہ ۱، قیمت ۱۰/-

جناب ڈاکٹر سید عبداللطیف صاحب استاذ انگریزی ادب جامعہ عثمانیہ کی انگریزی کتاب "غالب" کا
یہ اردو ترجمہ ہے۔ یوں کتاب تو متعدد ابواب اور عنوانوں میں ہے، مگر مباحث کے لحاظ سے اس کے تین حصے
کئے جاسکتے ہیں، ایک حصہ میں "غالب" کے موضوع پر قلم اٹھانے کے لئے جن مآخذوں پر ہنما کی ضرورت ہے
اون پر ناقدانہ گفتگو ہے، دوسرے حصہ میں "پر عظمت شاعری" کی حقیقت مغربی ادب کے اقوال کے
اقتباسات سے سمجھائی گئی ہے، اور تیسرے حصہ میں غالب کے سوانح حیات سے اس کا جو زاویہ نگاہ معلوم ہو
سکتا ہے، اور اس زاویہ نگاہ کے جو اثرات اس کی شاعری پر پڑ سکتے ہیں، اونہیں بیان کیا ہے، اس کتاب کی جو نمایان
خصوصیت ہے وہ یہی ہے کہ یورپ کے جدید طرز تحقیق (جس میں نین کی تحقیق پر سب سے زیادہ زور ہوتا ہے) پر غالب
کے موضوع پر سب سے پہلی مرتبہ اسی رسالہ میں قلم اٹھایا گیا ہے، لیکن مصنف کو غالب کے مدح سراؤں، حالی
اور بچوڑی کی رالیوں سے اس درجہ اختلاف ہوا کہ اس کا اختلاف غور و فکر اور تحقیق و تدقیق سے گذر کر مآخذ
شکل میں آگیا یہی وجہ ہے کہ جس اعتدال سعی، اور تہذیب کے ساتھ غالب کے مآخذوں پر گفتگو کی گئی
ہے، وہ روش غالب کی شاعری پر اظہار رائے میں نظر نہیں آتی، یہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ خود مصنف ایک
خاص خیال پہلے سے قائم ہے، اور اس کو وہ جلد سے جلد اپنے ناظرین تک پہنچا دینا چاہتا ہے، اور یہی وجہ
ہے کہ الفاظ اور طرز بیان میں وہ متانت بھی قائم نہیں، جو رسالہ کے ابتدائی ابواب میں نظر آتی ہے، اور

یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کی یہ کوشش ہے کہ جس طرح بھی ممکن ہو غالب کو ایک وجدانی شاعر کے مرتبہ
سے فروتر دکھایا جائے، نیز شاعری کا معیار بھی وہی مغربی شعر اور ادب کے آرار و افکار سے تیار کیا
گیا ہے، یہ وہی نقص ہے جس کو مصنف دوسرے لفظوں میں بچوڑی مرحوم پر بطور اعتراض وارد کر چکا ہے کہ مغربی
اساتذہ سے ہم پہلو دکھانا کچھ ضرور نہ تھا، لیکن جب مشرقی شاعری کی جانچ کا معیار مغربی اساتذہ کے اقوال و آراء
قرار پائیں گے تو کسی مشرقی شاعر پر نقد و نظر میں مغربی اساتذہ ہی سے موازنہ کرنا زیادہ مناسب ہوگا، اگر اس
طریق سے اس قائم کردہ معیار سے باسانی موازنہ ہو سکے گا، حقیقت یہ ہے کہ مصنف کو اس تصنیف میں کابینہ
نسیب ہونی قدرۃ ممکن بھی نہ تھی، کہ صعود کے بعد ہیبوط، کمال کے بعد زوال اور افراط کے ساتھ تفریط کا ہونا
ضروری تھا، البتہ اب آنے والے محقق کے لئے غالب پر کام کرنے کا راستہ ضرور صاف ہو گیا ہے، وہ ان دونوں
نہم کی کتابوں کو سامنے رکھ کر تحقیق و تدقیق کے وہ راستے اختیار کر سکتا ہے، جو زیر نظر کتاب میں معین
کئے ہیں، اور ایک جادہ ابدال حاصل کر سکتا ہے، اس لئے ہمیں جامعہ عثمانیہ کے نوجوانوں سے اس کی توقع
تھی کہ وہ اس کتاب کو بطور معیار اردو میں منتقل کرنے کے بجائے اس موضوع پر نئے سرے سے قلم اٹھائے، اور
افراط و تفریط سے دامن بچا کر راہ مستقیم پیش کرتے، کتاب کا ترجمہ صاف سلیس اور روان ہے، لیکن کتابت کی
بکثرت غلطیاں ہیں، مصرع کے مصرع غلط چھپ گئے ہیں،

محمد سلف، تالیف مولانا محمد رفیع صاحب مرحوم حیدر آبادی، ۱۲۰ صفحہ، قیمت ۱۰/-

حافظ عبدالغنی صاحب، مکان عبدالرؤف صاحب، جام باغ، ترب بازار، حیدر آباد دکن،

مولانا محمد رفیع صاحب مرحوم، احمد شہلی و سرسید کے اچھے اہل علم میں تھے، قابل قدر علمی مضامین کے
علاوہ مستقل تصنیفات کا سلسلہ بھی ان کا جاری تھا، انہیں دولت اصفیہ حیدر آبادی کی ایک مستقل ضخیم تاریخ کی ترتیب
کا خیال پیدا ہوا تھا، لیکن اس کا ایک مختصر حصہ لکھ سکے تھے، کہ انہوں نے وفات پائی، وہی حصہ "محمد سلف"
کے نام سے شائع ہوا ہے، اس کا موضوع "اسلام کا نشو و نما اور پھر ہندوستان میں اسلامی سلطنت کے

قیام پر تبصرہ ہے، حسین اسلام، اسلامی فتوحات، ہند پر اسلامی حملے، ہندوستان میں مستقل اسلامی حکومت اور اس کے بعد اسلامی فتوحات دکن، سلطنت ہمینی سلطنت بیجاپور، احمد نگر، عماد شاہیہ، بربر شاہیہ اور سلطنت قلی شاہیہ کا تذکرہ ہے، اور اسی بیان پر یہ حصہ تمام ہو گیا ہے مناسب ہوتا کہ مصنف کے مختصر اسوانح حیات بھی کتاب میں دیا جاتے۔

چند ڈرامے، از جناب نرائی محمد نرائی شارد و بک شال لودھری دروازہ لاہور، حجم ۱۲۲ صفحے، تقیچ جھوٹی قیمت ۸۔

جناب نرائی محمد صاحبان اردو کے مشہور ڈرامہ نویس ہیں یہ رسالہ ادب کے چند چھوٹے چھوٹے ڈراموں کا مجموعہ ہے جو قریب قریب سب پر لطف اور دلچسپ ہیں خصوصاً "ہمہ خانہ آفتاب" اور پہلی پیشی "کاہرا خیرنگ" قابل داد ہے،

اسلامی تاریخ کی سچی کہانیاں، از مولوی محمد حسین صاحب محوی، ناشر مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی

حجم ۸، صفحے، تقیچ جھوٹی قیمت ۶۔

یہ رسالہ چھوٹے بچوں اور بچوں کے لئے لکھا گیا ہے، اسلامی عہد کے موثر نصیحت آمیز واقعات و دواصفوں میں لکھے گئے ہیں اور آخر میں بطور نصیحت ہر سبق کا نتیجہ بھی بچوں کو سمجھا دیا گیا ہے، بچوں میں ذوق مطالعہ پیدا کرنے کے لئے یہ رسالہ کارآمد ہوگا،

علم الصرف، مولفہ مولوی محمد عبد الباقی خان صاحب شاہ جہان پوری، کوچہ چیلان، دہلی، حجم ۲۰۰، صفحے

قیمت ۱-۵۰

مصنف نے نو عمر بچوں کے لئے صرف دیکھو کے رسالے مرقاة العربیہ کے نام سے لکھے تھے، اب انہیں مسائل کو بڑی عمر کے طلبہ کے لئے مبادی العربیہ کے نام سے دو رسالوں میں جمع کیا ہے، پہلا رسالہ علم الصرف ہے، جس میں تمام مسائل اور گروہ دین جمع کی گئی ہیں، جو لوگ عربی صرف و نحو کو عربی زبان کی کتابوں سے پڑھانا نہ چاہتے ہوں، وہ اس رسالہ سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں،

جلد ۳۳ ماہ صفر ۱۳۵۳ھ مطابق ماہ جون ۱۹۳۴ء عدد ۶

مضامین

شذرات،	سید سلیمان ندوی	۴۰۴-۴۰۳
عالم برزخ از روئے قرآن،	مولانا محمد یحییٰ صاحب سابق استاد جامعہ دہلی،	۴۰۵-۴۰۴
بودھ مذہب کی مشہور کتاب "ارتناولی"،	"عز"	۴۰۸-۴۰۷
اخبار علمیہ،	"	۴۰۶-۴۰۵
روایے منزل،	جناب نواب بہادر ڈاکٹر محمد فضل اللہ خان بہاؤ الدین،	۴۰۹-۴۰۸
خطیب سے خطاب،	جناب اسد متانی بی اے،	۴۱۰
مطبوعات جدیدہ،	"س"	۴۱۱-۴۱۰

"تاریخ صقلیہ جلد اول"

مسلمانوں نے سسلی پر ڈھائی سو برس تک حکومت کی، اور اسپین کی طرح اسکو بھی اسلامی خیر و برکت کا سرچشمہ بنادیا اور تقریباً پانچ سو برس تک اس سے وابستہ رہے، مگر افسوس ہے کہ اسکی کوئی تاریخ اردو انگریزی میں کیا عربی میں بھی موجود نہ تھی، چھ سات برس کی مسلسل محنت اور تلاش و تحقیق کے بعد دو ضخیم جلدوں میں اسکی تاریخ مرتب کی گئی ہے جو جن میں سے پہلی جلد اب شائع ہو گئی ہے، جو سیاسی سرگزشت پر مشتمل ہے، اس میں صقلیہ کے جغرافیائی حالات، سسلی کی وزارت صسلی پر اسلامی حملوں کی ابتداء، اسلامی حکومت کا قیام، عہد نبیہ کے دوروں کا عروج، اسلامی حکومت کے فائدہ اور صقلیہ و جزائر صقلیہ میں مسلمانوں کے مصائب اور جلا وطنی کا تفصیلی مرقع دکھایا گیا ہے، ضخامت مجموعی

۵۲۱ صفحے، کاغذ اور لکھائی چھپائی اعلیٰ قیمت: للہ